فرحت اشتیاق

صبح خیز تو خیر وہ تھی، مگر صبح صبح واک کرنے کے لیے جانا اسے دنیا کا سب سے مشکل کام لگتا تھا۔ بابا کو اس کی اسی عادت سے شدید اختلاف تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ جب وہ صبح جلدی اٹھ ہی جاتی ہے تو پھر چہل قدمی کے لیے کھلی فضا میں نکلنے میں کیسی سستی۔ مگر یہاں شاید موسم کی خوبصورتی کا اثر تھا یا پھر وہ ویسے ہی کچھ ضرورت سے زیادہ خوشگوار موڈ میں تھی کہ گھر سے باہر نکل آئی تھی۔

باہر نکلتے ہی ہوا کے سرد جھونکوں نے اس کا استقبال کیا تھا۔ سوئیٹر پہننے کے باوجود سردی محسوس ہو رہی تھی۔ رات بھر ہوئی بارش کا کہیں کوئی نشان باقی نہ تھا۔ سڑکیں صاف ستھری، کہیں بارش کا پانی نہیں کھڑا تھا۔ یہ اس کا اسلام آباد کا تفصیلی قسم کا پہلا دورہ تھا ورنہ تو اس سے پہلے وہ امی، بابا اور مہرو کے ساتھ ایک دو مرتبہ ہی یہاں آئی تھی اور وہ بھی ایک آدھ دن کے لیے۔ "لوگ اسلام آباد کی صحیح تعریفیں کرتے ہیں۔" اس نے برملا اعتراف کیا تھا۔ صبح صبح بابا کا فون بھی آگیا تھا شاید اس کے موڈ کی خوشگواری کا سبب بابا سے لمبی چوڑی گفتگو کا ہونا ہی تھا۔ وہ پہلی مرتبہ بابا سے دور ہوئی تھی اور یہ دوری اسے بہت کھل رہی تھی۔ ان تین دنوں میں کوئی لمحہ ایسا نہیں تھا جب اسے بابا کی فکر لاحق نہ ہوئی ہو۔ اگر وہ بابا کی چہیتی بیٹی تھی تو بابا اس کے لاڈلے بابا تھے۔ دونوں ایک دوسرے کا بچوں کی طرح خیال رکھتے تھے۔

مہرو کی شادی اور پھر امی کے انتقال کے بعد جب گھر میں صرف وہ دونوں باپ بیٹی رہ گئے تو ان دونوں ہی نے ایک دوسرے کی تنہائی بانٹنے کے لیے آپس میں بڑی اچھی انڈر اسٹینڈنگ پیدا کر لی تھی۔ جس وقت امی کا انتقال ہوا وہ بارہ سال کی تھی۔

"امی بہت شدید بیمار ہیں، وہ بستر سے اٹھ کر خود باتھ روم تک بھی نہیں جا سکتیں۔ شاید انہیں کوئی بہت خطرناک بیماری ہے۔" وہ بابا اور مہرو آپی کو چھپ چھپ کر روتے دیکھ کر سوچا کرتی تھی۔ وہ لوگ اس کے سامنے امی کی بیماری کے بارے میں بات کرنے یا رونے سے ہر ممکن حد تک گریز کرتے تھے۔ پھر امی کی بیماری کے ایام میں ہی مہرو کی عدیل کے ساتھ شادی طے کر دی گئی تھی۔ اسے مہرو آپی کی اتنی جلدی شادی ہونے پر بہت اعتراض تھا۔

"مہرو آپی کی شادی ہو گئی تو پھر میں سوؤں گی کس کے پاس؟ میرے جرنلز پر Diagrams بنا کر کون دیا کرے گا اور پھر ابھی تو مہرو آپی خود بھی پڑھ رہی ہیں۔"

وہ نہاء سے چھ سال ہی تو بڑی تھی اور چند ماہ پیشتر ہی اس کا آنرز میں داخلہ ہوا تھا۔

"امی کی خواہش ہے کہ وہ اپنی زندگی میں کم سے کم اپنی اولاد کی ایک خوشی تو دیکھ سکیں۔ میرے لیے پڑھائی سے زیادہ اہم میری ماں کی آخری خواہش ہے۔"

مہرو آپی فون پر اپنی کسی دوست سے کہہ رہی تھیں

اور تب پہلی مرتبہ اسے امی کی بیماری کی شدت کا صحیح معنوں میں اندازہ ہوا تھا۔

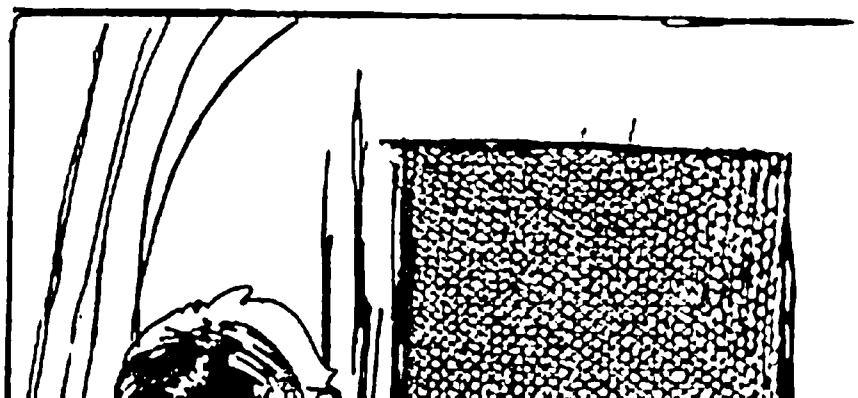

لوگ بیمار ہوتے ہیں پھر ٹھیک بھی ہو جاتے ہیں جب بابا کے پاؤں میں فریکچر ہوا تھا پھر وہ ٹھیک ہو گئے تھے ایسے ہی امی بھی کچھ عرصے بعد ٹھیک ہو جائیں گی۔ اس روز سے پہلے وہ یہی سوچا کرتی تھی۔ مگر اس روز اسے معلوم ہوا تھا کہ ان کی بیماری کبھی بھی ٹھیک نہیں ہو گی۔ اس کی ماں کچھ ہی دنوں میں مر

جائے گی یہ احساس کتنا خوفناک اور ڈرا دینے والا تھا۔ وہ خوف کے مارے رات کو پلک تک نہیں جھپکتی تھی۔ رات کو کئی مرتبہ اٹھ اٹھ کر امی بابا کے کمرے میں جھانکتی تھی پھر مہرو آپی کی شادی کے بعد اس نے امی کا بہت زیادہ خیال رکھنا شروع کر دیا تھا۔ امی اکثر بابا سے کہتی تھیں کہ

"نہاء مہرو سے زیادہ سمجھ دار ہے۔ مہرو میں تو ابھی تک بچپنا ہے۔" اور بابا اس کی طرف دیکھ کر پر شفقت انداز میں مسکرا دیا کرتے تھے۔ پھر جس طوفان کے آنے سے وہ سب ڈر رہے تھے وہ آکر سب کچھ بہا لے گیا تھا۔ اسے اور بابا کو نارمل زندگی شروع کرنے میں کئی مہینے لگے تھے۔ بابا اس کی خاطر کھانے کی میز پر

بیٹھتے اور وہ ان کا دل رکھنے کے لیے کھانا کھاتی یہ سوچ کر کہ مجھے کھاتا دیکھ کر شاید بابا بھی چند لقمے لے لیں۔ یوں رفتہ رفتہ ایک دوسرے کا خیال رکھتے رکھتے وہ ایک دوسرے کے بہت قریب آگئے تھے۔ زندگی کے بارہ سالوں میں وہ بابا کو اتنا نہیں جان پائی تھی جتنا ان چند ماہ میں جان گئی تھی اور بابا جن کے لیے ان کی دونوں بیٹیاں آنکھ کا تارہ تھیں مگر عملی طور پر بچوں کی تعلیم و تربیت بیوی کے سپرد کر کے وہ اپنے دفتری امور میں زیادہ مصروف رہا کرتے تھے اب اپنی اس لاڈلی بیٹی کی چھوٹی سے چھوٹی ہر بات اور ہر جذبے سے واقف ہو گئے تھے۔ وہ دونوں ایک دوسرے میں مگن آہستہ آہستہ زندگی کی طرف واپس آگئے تھے۔

پھوپھو کی فیملی کافی سالوں سے وہاں میں سیٹلڈ تھی اور شادی کے کچھ عرصے بعد مہو بھی اپنی سسرال وہاں چلی گئی تھی۔ وہ اپنی شادی شدہ زندگی سے مطمئن تھی عدیل بہت چاہنے والے شوہر ثابت ہوئے تھے۔

اپنی اور بابا کی فون پر ہونے والی گفتگو ذہن میں دہراتی وہ کافی آگے نکل آئی تھی۔ یوں سڑک پر ٹہلتے بابا کی پر لطف گفتگو یاد کر کے اسے بہت مزہ آرہا تھا۔ بابا آفس کے کام سے نہ جا رہے ہوتے تو وہ بھی ضرور لنگ کر لن کے ساتھ چلی گئی ہوتی۔ سڑک کے دائیں طرف مخالف سمت سے جوگنگ کر کے اس طرف آتے اس بندے اور اس کے ساتھ ساتھ دوڑتے اس کے کتے کو نماء نے سرسری نظروں سے دیکھا تھا۔ اپنی پوری توجہ سامنے مرکوز کیے اس نے تو شاید نماء کو سرسری سا بھی نہیں دیکھا تھا مگر اس کے کتے کو یکایک پتا نہیں کیا ہوا تھا کہ وہ اپنے مالک کو چھوڑ کر ایک دم سڑک کے بائیں طرف اس کے بالکل نزدیک آگیا تھا۔ اپنے سامنے کتے کو آتا دیکھ کر نماء کے اوسان خطا ہو گئے تھے۔ کتوں سے ایسا ویسا نہیں وہ ٹھیک ٹھاک ڈرتی تھی۔ اس نے بے اختیار رخ موڑ کر اپنے قدموں تیز تیز چلنا شروع کر دیا تو کتا دوڑتا ہوا باقاعدہ اس کے ساتھ ریس لگانے لگا۔ بے ساختہ انداز میں اس کے منہ سے چیخ نکلی تھی۔

"ول" غصے میں بھری اس آواز نے اس کی چیخ اور کتے کے بھونکنے دونوں کو خاموش کروا دیا تھا۔ وہ پاس ہی کھڑا خشمگیں نظروں سے اپنے کتے کو گھور رہا تھا۔

"I am Sorry" اب کے مخاطب وہ تھی۔ نماء نے اپنے حواس بحال کرتے ہوئے کتے کی طرف دیکھا تو وہ مالک کی ڈانٹ کھانے کے بعد ایک طرف کونے میں جا کر کھڑا ہوا نظر آیا۔

"ویسے آپ خوامخواہ ڈر گئیں۔ ول آپ کے پیچھے نہیں آرہا تھا۔ ہاں البتہ آپ کے بھاگنے والے اسٹائل سے وہ سمجھا کہ شاید آپ اس کے ساتھ ریسنگ کر رہی ہیں اس لیے وہ بھی دوڑنے لگا۔" شائستہ لہجے میں معذرت کرنے کے ساتھ ساتھ اس نے اپنے کتے کی "غیر اخلاقی" حرکت کا دفاع بھی کیا تھا۔ نماء کو غصہ تو بہت شدید آرہا تھا مگر ایک تو اپنی لڑائی جھگڑے سے دور رہنے والی عادت اور دوسرے سامنے والے بندے کا حد درجہ شائستہ انداز کسی بھی بدتہذیبی سے روک رہا تھا۔ اپنے خدوخال سے وہ ایشیائی تو لگ رہا تھا مگر پاکستانی ہرگز نہیں۔ اس کی گاڑھی قسم کی انگلش امریکن لب و لہجہ لیے ہوئی تھی۔ وہ خاموشی سے اس کی طرف دیکھتا یقیناً جواب کا منتظر تھا۔

"کوئی بات نہیں" کہتی وہ زبردستی مسکرائی تھی۔ غیر ملکیوں کے سامنے ہم اپنے ملک کے سفیر ہوتے ہیں کیا فائدہ بچہ النا سید ھا بکنے کا وہ بھی کیا سوچے گا کہ یہ پاکستانی کتنے ڈرپوک اور بدتمیز ہوتے ہیں نماء نے سوچا تھا۔ وہ دوستانہ مسکراہٹ اس کی طرف اچھال کر "کم آن ول" کہتا دوبارہ جوگنگ شروع کر چکا تھا۔ نماء نے ایک نظر مڑ کر اس کی طرف دیکھا اور اپنے قدم واپس گھر کی طرف موڑ لیے۔

گھر پہنچی تو ثوبیہ آنٹی کچن میں تھیں ناشتے کی تیاریوں میں مصروف تھیں جبکہ انکل اخبار کا مطالعہ کر رہے تھے۔

"آج تو بچہ صحت بنا کر آرہا ہے۔" اس کے سلام کے جواب میں انکل نے شوخی سے کہا تھا۔

... مالر نہیں بلکہ خون خشک کروا کے۔" برا سا ... منہ بناتی ہوئی وہ واش روم میں گھس گئی ...

"... مطلب؟" اس کے باہر نکلتے ہی انکل نے بے ... سمجھا تھا۔ چائے کی کیتلی ٹیبل پر رکھتی ثوبیہ ... تھی ... کر اس کی طرف دیکھا تھا۔ اس ... انداز میں سارا واقعہ سنایا تو ثوبیہ آنٹی اور ... ہی ہنس پڑے تھے۔

"... لوگ ہنس کیوں رہے ہیں۔" وہ بری طرح ... ئی تھی۔

"بے وقوف وہ پالتو کتا تھا اور اگر وہ اس طرح بغیر ... اپنے کتے کو لے کر گھوم رہا ہے تو اس کا مطلب ... کہ کتا اچھی طرح سدھایا ہوا ہے۔"

"پھر بھی کتا تو کتا ہے۔ اس کی شرافت کی قسم تو نہیں کھائی جا سکتی۔ کیا پتا کب اس کا دماغ پھر جائے اور وہ اپنی اصلیت پر واپس آجائے۔" انکل کی بات پر ... کر بولی تھی اور وہ جواب میں قہقہہ لگا کر ہنس پڑے تھے۔

"بابا کا فون آیا تھا۔" کورن فلیکس کھاتے ہوئے اس نے ثوبیہ آنٹی کو مخاطب کیا تھا۔

"کب آیا؟"

"آج صبح۔ میری آنکھ ہی بابا کے فون کی بیل سے کھلی تھی۔ آپ لوگوں کو سلام کہہ رہے تھے۔" وہ جواب میں بولی تھی۔

"ابھی تو سیئول میں ہی ہوں گے بھائی صاحب۔" انکل بھی گفتگو میں شریک ہوئے تھے۔

"جی انکل۔ بابا کہہ رہے تھے کہ ابھی انہیں ہفتہ دس دن کوریا میں لگیں گے پھر اس کے بعد ٹوکیو چلے جائیں گے۔ میں نے تو بابا سے صاف صاف کہہ دیا کوریا، جاپان، تھائی لینڈ، سنگاپور جہاں جہاں جانا ہے جائیں مگر ایک مہینے سے اوپر ایک دن بھی اگر ہوا تو میں پکی ناراض ہو جاؤں گی۔" اس کے انداز پر انکل اور ثوبیہ آنٹی دونوں ہی مسکرا دیے تھے۔ پھر ثوبیہ آنٹی مصنوعی انداز میں خفگی ظاہر کرتے ہوئے بولیں۔

"بہت برا سلوک ہو رہا ہے ناں یہاں تمہارے ساتھ۔ بھائی صاحب بھی کیا سوچ رہے ہوں گے کہ پتا نہیں تین چار دن میں ہی ظالم سالی اور اس کے شوہر نے میری بچی کے ساتھ کتنا ظلم و ستم کیا ہے جو وہ یوں بیزار ہو رہی ہے۔"

"ایسی بات نہیں ہے آنٹی۔ آپ کو تو پتا ہے ناں میں پہلی مرتبہ بابا سے دور ہوئی ہوں۔ ورنہ آپ لوگوں کے پاس تو بہت مزہ آرہا ہے۔" وہ ایک دم وضاحتی انداز میں بولی تھی۔

"تم بھی کس کی باتوں میں آرہی ہو۔ یہ تمہاری خالہ جان ایسی جذباتی بلیک میلنگ میں ماہر ہیں۔" انکل نے اسے مخاطب کیا تھا۔ ایسی ہلکی پھلکی گفتگو میں ناشتا تمام ہوا تھا۔

ناشتے کے بعد انکل اور ثوبیہ آنٹی اپنی اپنی جاب پر چلے گئے تو وہ کچھ دیر اخبار پڑھنے کے بعد کمپیوٹر کھول کر بیٹھ گئی تھی۔ اس کے آنے کی خوشی میں ثوبیہ آنٹی تین چار دن یونیورسٹی نہیں گئی تھیں۔ مگر چونکہ وہاں امتحانات چل رہے تھے اس لیے مزید چھٹیاں کرنا ممکن نہ تھا چنانچہ اس کے آنے کے بعد آج وہ پہلے دن یونیورسٹی گئی تھیں۔ ننھیالی رشتے داروں میں اسے ثوبیہ آنٹی سب سے زیادہ پسند تھیں۔ ان کی والہانہ محبت اسے امی کی یاد دلاتی۔ اسے ان کے لمس میں امی کی خوشبو محسوس ہوتی تھی۔ امی کے انتقال کے بعد سے کوئی سال ایسا نہیں گزرا تھا جب انہوں نے اپنی مصروف زندگی میں سے ہفتہ دس دن نکال کر اس کے ساتھ کراچی میں نہ گزارے ہوں۔ اسے اور مہو کو سالگرہ پر وش کرنا اور عید پر جوڑا بھجوانا وہ کبھی نہیں بھولتی تھیں۔ اسے اور مہو کو اپنی یہ اسمارٹ اور ینگ سی خالہ بہت پسند تھیں۔ ان کی شوخ و شریر فطرت دیکھ کر کوئی کہہ نہیں سکتا تھا کہ وہ Mathematics جیسے خشک اور مشکل مضمون کی لیکچرر ہیں۔

بابا کو ای میل کرنے کے بعد اس نے چیک کیا تو عدیل بھائی آن لائن تھے۔ پھر تو اس کی عدیل بھائی کے ساتھ ساتھ مہو آپی، پھوپھو اور سونی سب ہی سے

خوب گپ شپ ہوئی تھی۔ ڈیڑھ دو گھنٹہ ان لوگوں کے ساتھ چیٹنگ کرکے وہ ایک دم فریش ہوگئی تھی۔

♥ ♡ ♡ ♥

وہ گاڑی بہت آہستہ اور محتاط انداز میں ڈرائیو کر رہی تھی۔ اسے ڈرائیونگ سیکھے ہوئے دو مہینے ہی ہوئے تھے اور ابھی اسے زیادہ مہارت بھی نہیں ہوئی تھی۔ کراچی میں وہ روزانہ شام کے وقت بابا کے ساتھ پریکٹس کرنے نکلتی تھی۔ یہاں آکر پریکٹس ہو ہی نہیں پارہی تھی۔ اسے لگا کہ کہیں ایسا نہ ہو ایک مہینے بعد جب وہ یہاں سے جائے تو سب سیکھا سکھایا چوپٹ ہوجائے، یہی سوچ کر وہ انکل اور فوزیہ آنٹی کے چلے جانے کے بعد گاڑی لے کر گھر سے باہر نکل آئی تھی۔ ابھی اسے اکیلے روڈ پر ڈرائیو کرنے سے ڈر لگتا تھا اسی لیے اس نے سوچا کہ اندر اندر آس پاس کی گلیوں کے چکر لگا کر پریکٹس کرلے گی۔ اپنی گلی سے مڑ کر وہ دائیں ہاتھ پر مڑ گئی تھی۔ کار نر والے مکان سے بلیک کلر کی پجیرو نکلتے دیکھ کر اس نے ایک دم بریک لگایا تھا مگر پجیرو میں بیٹھا بندہ بھی بریک لگا کر اسے آگے چلے جانے کا اشارہ کررہا تھا۔ اسے اپنی انسٹرکٹر کا پڑھایا ہوا قاعدہ ایک دم یاد آیا تھا۔

”گیٹ سے گاڑی باہر نکال رہے ہوں اور سڑک کے کسی بھی طرف سے کوئی دوسری گاڑی آرہی ہو تو پہلے گزرنے کا حق اسی گاڑی کو ہے۔“ اسے پجیرو میں بیٹھے بندے کے اصول و ضوابط پسند تو آئے مگر ایک دم گھبراہٹ بھی شروع ہوگئی۔ بابا کی کمی اس لمحے اسے شدت سے محسوس ہوئی تھی۔ اسے پتا تھا کہ گاڑی اسٹارٹ کرنے کے ساتھ ساتھ اسے اسٹیئرنگ اس حد تک گھمانا ہے کہ سامنے کھڑی پجیرو سے ٹکرائے بغیر آگے بڑھ جائے۔ بابا ہوتے تو ساتھ گائیڈ کرتے جاتے۔

”ہاں اسٹیئرنگ گھماؤ، شاباش، فرسٹ گیئر بالکل ٹھیک ہے، اب آہستہ آہستہ بریک پر سے پاؤں ہٹاؤ“ اور معاملہ منٹوں میں حل ہوجاتا۔ اسے اپنے اتنے [illegible] انداز میں رستے پر ٹلیش آرہا تھا۔ گاڑی میں بیٹھے بندے نے جھنجلا کر شیشہ نیچے کرکے اس سے کچھ کہا جو گھبراہٹ میں اسے بالکل بھی سمجھ میں نہیں آیا۔ شرمندگی سے بچنے کے لیے اس نے اللہ کا نام لے کر اسٹیئرنگ وہیل گھماتے ہوئے گاڑی اسٹارٹ کی تھی۔ اگلے لمحے اس کی گاڑی پجیرو کے پچھلے حصے سے ٹکرانے کے بعد رک چکی تھی۔ اس کے ہاتھ پاؤں پوری طرح پھول چکے تھے۔ گھبراہٹ اور شرمندگی کے ساتھ ساتھ اسے بری طرح رونا بھی آنے لگا تھا۔ اسے ایسا لگ رہا تھا کہ ابھی وہ بندہ پتہ کہے گا نہیں اور وہ رونا شروع کردے گی۔ پجیرو کا دروازہ کھول کر اس بندے کو اتر کر اپنی طرف آتا دیکھ کر اس کا دل چاہا کہ وہ گاڑی واڑی چھوڑ کر سر پر پاؤں رکھ کر وہاں سے بھاگ جائے۔

”آپ ٹھیک تو ہیں؟“ بڑا غیر متوقع سوال اس کی سماعتوں سے ٹکرایا تھا۔ نہاء نے چونک کر باہر کی طرف دیکھا تو گرے سوٹ میں ملبوس وہ بے تحاشا ہینڈسم اور شاندار سا بندہ بڑی تشویش سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ نہاء کو ایسا لگا جیسے وہ اس بندے سے پہلے کبھی مل چکی ہے مگر اس وقت صورت حال ایسی تھی کہ وہ ذہن پر زور ڈال کر یاد نہیں کرسکی۔ شرمندگی سے سر جھکائے وہ دروازہ کھول کر گاڑی سے باہر نکل آئی تھی۔

”I am Sorry“ معذرت کرنے کے ساتھ ساتھ اس نے کن انکھیوں سے اس کی پجیرو کا معائنہ بھی کیا تھا۔ شکر تھا کہ زیادہ نقصان نہیں ہوا تھا۔

”لگتا ہے آپ نے ابھی نئی نئی گاڑی چلانی سیکھی ہے۔“ سن گلاسز واپس آنکھوں پر چڑھاتے ہوئے وہ بولا تھا۔

”Learning لائسنس ہے میرے پاس“ وہ بے ساختہ بولی تھی اس کی اس وضاحت پر وہ مسکرا دیا تھا۔ اس کی مسکراہٹ طنزیہ ہے یا مذاق اڑاتی ہوئی، نہاء سمجھ نہیں پائی۔

”مجھے اپنی غلطی پر بہت افسوس ہے۔ میری وجہ

[illegible] کی نقصان ہوا ہے میں پورا کرنے کے [illegible]“ اسے مزید کچھ بولے بغیر واپس جاتا [illegible] اختیار بولی تھی۔ ابھی وہ اس کی بات [illegible] لینے ہی والا تھا کہ کھلے گیٹ سے [illegible] اس کے پیچھے پیچھے ایک ملازم ٹائپ بندہ [illegible] دوڑتا ہوا آکر اپنے مالک کے قدموں [illegible] تھا۔ کتے کو دیکھتے ہی رہا سہا خون بھی خشک [illegible] تھا۔

[illegible] ب ول؟“ وہ بڑے پیار سے اپنے کتے [illegible] تھا۔ نہاء نے بے ساختہ چونک کر اس [illegible] دیکھا تھا۔ پرسوں صبح ٹریک سوٹ میں [illegible] اور جوگرز والا بندہ اس سجے سجائے [illegible] بہت مختلف نظر آیا تھا۔ نہاء کو اپنی [illegible] کی حس پر افسوس ہوا تھا۔ کتے سے سوال [illegible] کے وہ دوبارہ نہاء کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

”آپ کے انسٹرکٹر نے آپ کو گاڑی چلانے کا [illegible] اصول نہیں بتایا۔ بغیر اعتماد کے ڈرائیونگ [illegible] نہیں کی تو ایسے واقعات آئے روز پیش [illegible] گے۔“ اس کے جملوں نے نہاء کو بری طرح [illegible] کرا دیا تھا۔ ملازم سے کتے کو اندر لے جانے کے [illegible] وہ واپس مڑا اور نہاء کی گاڑی کی طرف بڑھا۔ [illegible] ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے دیکھ کر وہ بری طرح [illegible] ہوگئی تھی۔

”آئیے آپ بھی“ وہ اسے اسی کی گاڑی میں بیٹھنے [illegible] اتنے اعتماد سے دے رہا تھا کہ وہ بوکھلا کر [illegible] گئی تھی۔

”پلیز جلدی آئیے میں لیٹ ہو رہا ہوں۔“ اب [illegible] لہجہ جھنجلایا ہوا تھا۔

”یہ مجھے کہاں لے جانا چاہتا ہے۔ کیا پولیس کے [illegible]“ اس نے احمقانہ انداز میں سوچا تھا۔ مرے [illegible] قدموں سے چلتی ہوئی وہ برابر والی سیٹ پر آکر [illegible] گئی تھی۔ اس کے بیٹھتے ہی اس نے گاڑی اسٹارٹ [illegible] اور ریورس کرکے دو چار قدم پیچھے لے آگیا۔

”یہیں پر آپ کی گاڑی کھڑی تھی جب میں نے آپ کو آگے جانے کا اشارہ کیا تھا۔ اب میں جو کروں اسے غور سے دیکھیے گا۔“ وہ ڈرائیونگ اسکول کے کسی مستند انسٹرکٹر کی طرح پروفیشنل انداز میں بولا تھا۔ اسے Key Points سمجھاتے ہوئے اس نے آہستہ آہستہ گاڑی آگے بڑھائی تھی۔

”سمجھ میں آیا آپ کے۔“ گاڑی تھوڑی آگے لے جاکر روکتے ہوئے اس نے نہاء کو مخاطب کیا تھا۔ اس نے کچھ گھبرائے ہوئے انداز میں سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

”گڈ۔ اب آپ یہی کام مجھے ایک مرتبہ پھر کرکے دکھائیں بھرپور اعتماد کے ساتھ۔“ نہاء اس عجیب و غریب بندے کو سمجھ نہیں پارہی تھی۔ مگر پھر بھی پتا نہیں اس میں ایسی کیا بات تھی کہ وہ بنا چوں چرا کیے اتر کر ڈرائیونگ سیٹ کی طرف آگئی تھی۔ گاڑی واپس اسی مخصوص جگہ کھڑی کرکے وہ ڈرائیونگ سیٹ سے اتر گیا تھا۔ دونوں ہاتھ پینٹ کی جیبوں میں ڈالے وہ روڈ پر کھڑا بغور اسے دیکھ رہا تھا۔ ابھی اس نے چابی گھمائی ہی تھی کہ وہ زور سے بولا۔

”ایک منٹ رک جائیں۔“ وہ حکم کے غلام کی طرح رک گئی تھی۔

”آپ کے چہرے پر مجھے ڈھونڈے سے بھی اعتماد نظر نہیں آرہا۔ سوائے ڈر اور خوف کے آپ کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں۔“ وہ خفگی بھرے انداز میں بولا تھا۔

”اس وقت میں بہت ٹینس ہوں۔ مجھ سے بالکل بھی نہیں کیا جارہا۔“ وہ بے بسی سے بولی تھی۔ آنکھوں میں ڈھیر سارے آنسو بے اختیار آگئے تھے۔ اسے لگ رہا تھا شاید وہ اسے نفسیاتی انداز میں ٹیز کرنے کی کوشش کررہا ہے۔

”نہیں ہو رہا تو رہنے دیں۔ اتریں شاباش۔“ وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتا ہوا بولا تھا۔ وہ ”فوراً“ ہی اتر گئی تھی۔ اسے دوبارہ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے دیکھ کر وہ الجھ گئی تھی۔

”آخر یہ شخص چاہتا کیا ہے؟“

"آیئے۔" اسے آواز دے کر اس نے گاڑی اسٹارٹ کرلی تھی۔ نماء کا دل چاہا وہ اس کی آواز کو نظرانداز کر کے وہاں سے اندھا دھند بھاگ جائے۔ اگر اپنی ذاتی گاڑی ہوتی تو شاید وہ ایسا کر بھی گزرتی۔ مرے مرے قدموں سے چلتی وہ گاڑی میں بیٹھ گئی تھی۔

"دیکھیں میں اپنی غلطی پر آپ سے ایکسکیوز کر چکی ہوں۔" وہ بھرائے ہوئے لہجے میں بولی تھی۔ اس کی بات کے جواب میں کچھ کہے بغیر وہ گاڑی اسٹارٹ کر چکا تھا۔

"آپ کا گھر اسی گلی میں ہے ناں۔" گاڑی ٹرن کرتے ہوئے اس نے پوچھا تھا۔ کچھ خوف زدہ انداز میں نماء نے گردن ہلا دی تھی۔

"کون سا گھر ہے؟" ایک سیکنڈ کے توقف کے بعد رفتار کم کرتے ہوئے پوچھا گیا تھا۔

"وہ بلیک گیٹ والا۔" گاڑی گیٹ کے پاس لا کر روکتے ہوئے وہ اس کے اترنے سے پہلے اتر گیا تھا۔

"میں خاص طور پر آپ کا گھر دیکھنے کے لیے یہاں تک نہیں آیا ہوں۔ آپ اتنی زیادہ ڈری ہوئی لگ رہی تھیں کہ مجھے لگا آپ خود ڈرائیو کر کے واپس گھر تک نہیں پہنچ سکتیں اس لیے آپ کو چھوڑنے آگیا۔" اس کے اترتے ہی وہ سنجیدگی سے بولا تھا۔

"میرا مقصد آپ کو ڈرانا یا رلانا ہرگز نہیں تھا نماء" وہ اسی سنجیدگی اور بردباری سے بولا تھا۔ وہ بری طرح چونک گئی تھی۔

"نماء" اس نے تعجب سے خود اپنا نام دہرایا تھا۔

"آپ کو میرا نام کیسے پتا چلا؟" اس کے سوال پر وہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑا تھا۔

"جادو کے زور سے۔" وہ مسکراہٹ دباتا ہوا شرارتی انداز میں بولا تھا۔ وہ احمقوں کی طرح منہ پھاڑے اسے پیدل جاتا ہوا دیکھ رہی تھی۔ یونہی بے خیالی میں ہاتھ اپنی چھین پر پڑا تو اس کا اپنی عقل پر ماتم کرنے کا دل چاہا۔ اندر آکر بھی وہ کتنی ہی دیر تک ایک اجنبی کے سامنے حماقتوں کے اتنے عظیم الشان مظاہرے کرنے پر وہ خود کو سرزنش کرتی رہی تھی۔ اپنا چھین پر دن بھر میں جب بھی اس کا ہاتھ پڑا فوراً ہی اسے اپنی صبح والی حماقت کا خیال آگیا تھا۔

رات کو سوتے وقت تک اس کے اعصاب پر اجنبی ہی سوار تھا۔ اس کا انداز نماء کو بہت پراسرار اور عجیب و غریب لگا تھا۔ عام طور پر اس قسم کے حالات میں یا تو لوگ سامنے والے سے لڑنے اور برا بھلا کہنے کھڑے ہو جاتے ہیں یا پھر بڑے دل کا مظاہرہ کرتے ہوئے غلطی کرنے والے کو کچھ کہے بغیر جانے دیتے ہیں۔ مگر اس طرح ڈرائیونگ کی غلطیاں ٹھیک کروانے اور ڈرائیونگ کے اسرار و رموز سمجھانے کوئی بھی کھڑا نہیں ہوتا۔ بہت سوچنے کے بعد آخرکار اس نے یہ کہہ کر خود کو تسلی دے لی تھی کہ وہ بندہ اچھا خاصا کھسکا ہوا تھا۔ یقیناً اس کے دماغ کا کوئی اسکرو ڈھیلا تھا۔

"مگر میں اس کے احکامات اتنی فرمانبرداری سے کیوں مان رہی تھی۔" وہ اب اپنے آپ سے الجھ رہی تھی۔

"کچھ بات تھی ایسی اس کی شخصیت میں کہ میں بری طرح اس سے مرعوب ہو کر اس کے زیر اثر آگئی تھی۔ عجیب سا رعب تھا اس کے انداز میں۔" اس کے ذہن سے اس شخص کا اعتماد اور شائستگی لیے ہوئے لہجے کا وہ حکمیہ انداز محو نہیں ہو رہا تھا۔ اکیلے گاڑی لے کر نکلنے سے تو بہرحال اس نے توبہ کرلی تھی۔ زیادہ تفصیل سے تو نہیں لیکن بات کو بہت سرسری اور عام سے انداز میں لے کر اس نے تھوڑا بہت ثوبیہ آنٹی کو بھی بتا دیا تھا۔ اس مسئلے کا حل انہوں نے یہ نکالا تھا کہ روزانہ شام کے وقت اسے گاڑی چلانے کی پریکٹس کروانے لگی تھیں۔ اسے اب اس بندے کا سامنا ہو جانے کے خیال سے گھبراہٹ ہوتی تھی۔ بہت سوبر اور سنجیدہ مزاج ہونے کے باوجود اگر آپ کسی ایک شخص کے سامنے ہی کسی حماقت کا مظاہرہ کر چکے ہوں تو دوبارہ اس شخص کا سامنا کرنے میں دشواری لاحق ہوتی ہے۔ کیا وہ اجنبی شخص یہ بات کبھی مان سکتا ہے

[illegible] لیے دیئے رہنے والی [illegible] ہر کسی سے بے تکلف ہونا [illegible] اپنے قریبی لوگوں سے وہ بے [illegible] رکی ہے۔ بابا سمیت ان کے اکثر [illegible] عدیل بھائی کے یہی کہنا [illegible]

[illegible] لگتی ہے اور میری پھوپھو" دو بچوں کی [illegible] تھوڑی سی بھی سنجیدہ اور بردبار [illegible] اور نماء اس کے برخلاف اتنی ہی سنجیدہ [illegible] تو اسے بہت بے وقوف اور احمق [illegible] لڑکی کہتے کو دیکھ کر چیخیں مارے جبکہ وہ [illegible] بھی نہیں رہا تھا پھر ڈھنگ سے [illegible] جاننے کے باوجود گاڑی لے کر نکل کھڑی [illegible] اتنی کہ ایک اجنبی اسے اعتماد [illegible] درس دینے کھڑا ہو جائے اسے وہ بے [illegible] حماقت کے علاوہ اور کیا سمجھ سکتا تھا۔ جن [illegible] نے تم کچھ احمقانہ کارنامے سرانجام [illegible] ان سے کبھی بھی نہ ملنے کی تمنا [illegible] کیا کر رہی تھی۔

♥ ♡ ♥

[illegible] تھا ثوبیہ آنٹی اور وہ قریبی سپر مارکیٹ [illegible] ضرورت کی اشیاء خرید کر سامان [illegible] کے بعد وہ اسے لیے ایک بیکری میں [illegible]

[illegible] کی بہت ڈرے ہے۔" انہوں نے [illegible] دی تھی۔

[illegible] پھر تو خوب مزہ آئے گا۔ بس پھر آج [illegible] کی طرف سے ہو گا کسی بہترین ہوٹل [illegible] سرپرائز ہو گئی تھی۔

[illegible] ثوبیہ آنٹی کیک آپ کو خود بیک کرنا چاہیے

[illegible] نے اعتراض پر وہ لاپروائی سے بال جھٹکتے [illegible]

"[illegible] بیکری میں بنے بنائے کیک مل جاتے ہیں پھر اتنا بکھیڑا کون پھیلائے۔" ان کے اس سستی اور کاہلی بھرے بیان پر ابھی وہ ڈھنگ سے ہنس بھی نہیں پائی تھی کہ پاس ہی ایک جانی پہچانی آواز سنائی دی۔ وہ اس سے پہلے کچھ فاصلے پر کھڑا سیلز مین سے مخاطب تھا۔ والٹ سے پیسے نکالتے ہوئے اسے شاید اپنے چہرے پر کسی کی نظریں محسوس ہوئی تھیں اسی لیے گردن گھما کر دیکھا تھا۔ ایک پل کے لیے ہلکی سی شناسائی لی ہوئی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر نمودار ہوئی تھی۔ وہ گھبرا کر اپنی نظروں کا زاویہ بدلنے ہی والی تھی کہ وہ براہ راست اس سے مخاطب ہو گیا تھا۔

"ہیلو نماء! کیسی ہیں آپ۔" وہی رٹے سروں میں شستہ انگریزی بولنے والا انداز تھا۔ ثوبیہ آنٹی جو سیلز مین کے ساتھ الجھ رہی تھیں ایک دم چونک کر اسی طرف دیکھنے لگی تھیں۔ بری طرح جزبز ہوتے ہوئے وہ بمشکل بولی تھی۔

"ٹھیک ہوں۔" اور فوراً ہی ثوبیہ آنٹی کی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔

"کون ہے یہ ہینڈسم بندہ۔" ان کی سرگوشی نما آواز اتنی بلند تو ضرور تھی کہ نماء سے کچھ فاصلے پر کھڑا وہ بندہ بھی سن سکے۔

"آہستہ تو بولیں۔ وہ سن رہا ہے۔" وانت کچکچا کر وہ بڑبڑائی تھی۔

"تو اسے اردو کیا سمجھ آئے گی۔ دیکھنے سے ہی فارنر لگ رہا ہے۔" وہ کندھے اچکا کر بے فکری سے بولی تھیں۔

"تم سے کم 'ہینڈسم' تو ضرور اس کی سمجھ میں آگیا ہو گا اور اتنا اندازہ تو اسے بہرحال ہو گا کہ خوش قسمتی سے اس بیکری میں اس وقت اس کے علاوہ ہینڈسم اور کوئی نہیں۔"

بیکری سے باہر نکلتے ہوئے وہ اپنا غصہ ظاہر کرتے ہوئے بولی تھی۔ شکر تھا کہ ان کا مطلوبہ کیک فوراً ہی مل گیا تھا اور ان لوگوں کو زیادہ دیر وہاں کھڑا نہیں ہونا پڑا تھا۔ ثوبیہ آنٹی اس کے تپے ہوئے انداز پر کھلکھلا کر ہنس پڑی تھیں۔ اپنی گاڑی کے پیچھے

کھڑی اس بلیک پجیرو کو وہ کبھی بھی نہیں بھول سکتی تھی۔ اسے گم سم کھڑا دیکھ کر انہوں نے ٹوکا تھا۔

"کیا ہوا گھر نہیں چلنا کیا۔ چلو بیٹھو گاڑی میں۔"

گاڑی کی چابی اس کے ہاتھ میں پکڑاتے ہوئے وہ برابر والی سیٹ پر بیٹھ چکی تھیں۔ اسی وقت وہ بھی اندر سے برآمد ہوا تھا۔ ہاتھوں میں پکڑے دو تین شاپرز برابر والی سیٹ پر رکھتا وہ ڈرائیونگ سیٹ سنبھال چکا تھا۔ نہاء گاڑی میں بیٹھ کر خوامخواہ بیک ویو مرر ٹھیک کرنے لگی۔

"کیا ہوا' چلو بھئی۔ دیر ہو رہی ہے۔" ثوبیہ آنٹی کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو رہا تھا۔

جیسے ہی گاڑی ریورس کر کے پارکنگ سے نکالتے ہوئے وہ آگے بڑھا نہاء نے بھی فوراً ہی گاڑی اسٹارٹ کر دی تھی۔ اس گلی سے اس نے قصداً گاڑی نہیں نکالی جہاں اس کا گھر تھا۔ اس کے یہ بتانے پر کہ اسی بندے اور اسی کے کتے سے وہ پندرہ روز پہلے شرف ملاقات حاصل کر کے آئی تھی وہ بہت حیران ہوئیں۔

"صبح صبح اتنا ہینڈسم بندہ دیکھ کر تم وہ سڑا ہوا منہ لے کر گھر آئی تھیں۔ لعنت ہے تمہارے ذوق پر۔ میں تو ایسا بندہ صبح صبح دیکھ لوں تو سارا دن بتیسی ہی اندر نہ ہو۔ پورا دن خوشگوار گزرے۔" ان کے ان کمنٹس پر اس کا ہنستے ہنستے برا حال ہو گیا تھا۔

♥ ♡ ♡ ♥

کتب بینی اس کا اور انکل کا مشترکہ شوق تھا۔ اپنے گھر میں پاپا اور یہاں پر انکل اس کے اس شوق کی تسکین کا کافی سامان کر رہے تھے۔ اس کا شوق دیکھتے ہوئے انکل نے اپنے ذخیرہ خاص میں سے بڑی قیمتی کتابیں اسے پڑھنے کے لیے دی تھیں۔ بقول ثوبیہ آنٹی یہ اس کے ساتھ انکل کی جانب سے وی آئی پی سلوک کا اظہار تھا ورنہ اپنی کتابوں کے معاملے میں وہ بہت بے مروت اور کنجوس واقع ہوئے تھے۔ اس روز انکل نے آفس سے فون کر کے اسے جلدی سے تیار ہونے کا حکم دیتے ہوئے کہا تھا۔ "بہت زبردست بک فیئر لگا ہے تم تیار رہو' میں تھوڑی دیر میں آ(رہا) ہوں۔" وہ بھی ایک دم پرجوش ہو کر تیار ہونے کمرے میں بھاگی تھی۔

بک فیئر واقعی بہت شاندار تھا۔ مختلف اسٹالز پر ہر عمر اور ہر ذوق کے حامل قارئین کے لیے کتابوں کی کثیر تعداد موجود تھی۔ انکل اپنے پسندیدہ مضمون ہسٹری سے متعلق کتابوں میں کھوئے ہوئے تھے اور وہ مختلف اسٹالز دیکھتی ہوئی کافی آگے نکل آئی تھی۔ Windows اور انٹرنیٹ سے متعلق کتابیں دیکھتے ہوئے اس کا یہی دل چاہ رہا تھا کہ ساری کی ساری کتابیں خرید لے۔

"کبھی میرے پاس اتنا پیسہ ہوا تو میں اپنی ایک عالیشان قسم کی لائبریری بناؤں گی جس میں ڈھیر ساری کتابیں ہوں گی۔ اردو لٹریچر' انگلش لٹریچر' ہسٹری' فکشن' سائنس' بزنس۔ ہر موضوع پر خوب ساری کتابیں۔"

وہ ہاتھ میں پکڑی کتاب کے اوراق پلٹتے ہوئے خیالی پلاؤ پکانے میں مصروف تھی جب وہی جانی پہچانی آواز اسے سنائی دی تھی۔ وہ اسی اسٹال پر کھڑا کسی کتاب کے متعلق پوچھ رہا تھا۔

"ہیلو" اس کی نظر نہاء پر پڑی تو اخلاقی تقاضے نبھانے کی خاطر آج ہیلو میں پہل نہاء ہی نے کر دی تھی۔ جب وہ اچھی طرح بات کرتا ہے تو اسے بھی جواب میں اخلاق کا مظاہرہ کرنا چاہیے اس نے دل ہی دل میں خود سے کہا تھا۔

"بہت اچھا بک فیئر ہے۔ کتابوں کی قیمتیں بھی مناسب ہیں۔" اس کے ہیلو کا جواب دینے کے بعد اس نے اپنی رائے کا اظہار کیا تھا۔

"جی ہاں۔" اس نے فوراً اتفاق کیا تھا۔ اپنی مطلوبہ کتاب ہاتھ میں آنے پر وہ فوراً ہی پیمنٹ کرتا ہوا اسے "گڈ بائے" کہتا واپس مڑ گیا تھا۔

"ارے یہ کیا" نہاء کی نظر اپنے پیروں کے پاس پڑے والٹ پر پڑی تو وہ چونک گئی تھی۔ یہ ابھی ابھی یہی والٹ وہ اس کے ہاتھوں میں دیکھ چکی تھی۔ والٹ اٹھا

کر وہ تیز تیز قدموں سے چلتی اسی طرف آئی تھی جہاں وہ جاتا نظر آیا تھا۔ وہ پارکنگ میں سے اپنی گاڑی نکال رہا تھا۔ نہاء نے اسے دور سے ہی دیکھ لیا تھا۔

"بات سنیں۔ یہ آپ کا والٹ وہاں گر گیا تھا۔" وہ زور سے چلائی بھی تھی مگر ایسا لگ رہا تھا کہ شاید اس کی آواز اس تک پہنچی ہی نہیں۔ وہ تیز رفتاری سے گاڑی نکال کر جا چکا تھا۔ نہاء کو اپنی بھاگ دوڑ ضائع جانے پر کافی افسوس ہوا تھا۔ والٹ اپنے بیگ میں رکھتی وہ واپس اندر آ گئی تھی۔ انکل ہنوز کتابوں میں کھوئے ہوئے تھے۔ وہ خود بھی ایک مرتبہ پھر کتابوں کی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔ لیدر کا وہ قیمتی والٹ اپنے اندر نقدی بھی کافی زیادہ رکھتا تھا۔ کھول کر دیکھنے پر بغیر گنے ہی اندازہ ہو رہا تھا کہ اس میں چھ سات ہزار روپے تو ضرور موجود ہیں۔ پیسوں کے ساتھ ہی کریڈٹ کارڈ بھی رکھا نظر آ رہا تھا۔ اس نے سرسری سا دیکھنے کے بعد والٹ ویسے ہی رکھ دیا تھا۔ تمام چیزیں نکال کر دیکھنا اسے غیر اخلاقی حرکت لگ رہی تھی۔

اگلے روز انکل اور ثوبیہ آنٹی کے جانے کے بعد وہ چوکیدار سے واک کرنے کا کہتی گھر سے باہر نکل آئی تھی۔ گیٹ پر بیل کرنے پر اسی روز والے ملازم سے سامنا ہوا تھا۔

"جی فرمائیے۔" کے جواب میں اس کا اپنا سر پیٹ لینے کا دل چاہا۔ حد درجہ ایمانداری دکھانے کے چکر میں اس نے کریڈٹ کارڈ یا وزیٹنگ کارڈز میں سے اس کا نام تک نہیں دیکھا تھا۔ ملازم اسے مشکوک نظروں سے دیکھ رہا تھا اسی لیے وہ فوراً ہاتھ میں پکڑا والٹ کھول کر اس میں سے وزیٹنگ کارڈ ذرا سا باہر نکال کر نام دیکھتے ہوئے بولی۔

"مجھے اوزان واسف صاحب سے ملنا ہے۔" اس کی حرکتوں پر ملازم سر سے لے کر پاؤں تک اسے گھور گھور کر دیکھ رہا تھا۔

"آپ ذرا مہربانی فرما کر انہیں جلدی سے بلا دیں۔" وہ اس کے گھورنے پر چڑ کر بولی تھی۔ اسے باہر کھڑا چھوڑ کر گیٹ واپس بند کرتا وہ اندر چلا گیا تھا۔

تھوڑی ہی دیر میں وہ دوبارہ آیا تھا۔

"صاحب آپ کو اندر بلا رہے ہیں۔" اب کے لہجہ کافی مہذب تھا۔

"مجھے اندر نہیں آنا' ان سے کہو یہیں آ کر اپنا والٹ لے لیں۔"

وہ والٹ دکھاتے ہوئے ناراضی سے بولی تھی۔

"بڑے نواب صاحب ہیں۔ میں کس خوشی میں اندر جاؤں۔ خود دو قدم چلنے کی زحمت نہیں کر سکتے۔" وہ تپ گئی تھی۔ ملازم نئے سرے سے اسے گھورتا واپس مڑ گیا تھا۔ اب کی بار اس پر اتنا بھروسہ کر لیا گیا تھا کہ گیٹ کھلا چھوڑ دیا گیا تھا۔ ایک منٹ بعد ہی وہ کھلے گیٹ سے چلتا اس طرف آتا نظر آیا۔

"آپ باہر کیوں کھڑی ہیں اندر آئیے ناں۔" بڑی خوشگوار مسکراہٹ چہرے پر سجائے وہ اسے اندر آنے کی دعوت دے رہا تھا۔ بلیو جینز اور بلیو ہی ٹی شرٹ پہنے وہ خاصے "گھریلو" حلیے میں نظر آ رہا تھا۔

"شکریہ۔ مجھے بس یہ آپ کا والٹ دینا تھا جو کل وہاں Book Fair میں آپ سے گر گیا تھا۔ میں اسی وقت آپ کے پیچھے آئی تھی لیکن آپ تک میری آواز پہنچی نہیں تھی۔"

وہ جلدی جلدی جملے مکمل کرتی والٹ اس کی طرف بڑھا چکی تھی۔ بجائے والٹ اس کے ہاتھ سے لینے کے وہ بے ساختہ بولا۔

"اس طرح گیٹ پر کھڑے کھڑے تو میں یہ ہرگز قبول نہیں کروں گا۔ آپ اندر آ کر میرے ساتھ ایک کپ کافی کا پئیں گی' تو میں والٹ بھی لوں گا اور آپ کا شکریہ بھی ادا کروں گا۔" عجیب کھسکا ہوا بندہ ہے۔ وہ دل ہی دل میں بڑبڑائی تھی۔

"آئیے پلیز" دوبارہ اصرار کیا گیا تھا۔ اسے اندر آنے کے لیے راستہ دیتا وہ منتظر کھڑا تھا۔ اس کے اندر داخل ہونے پر وہ بڑا خوش نظر آ رہا تھا۔ وہ اسے لیے غالباً "ڈرائنگ روم" کی طرف آ رہا تھا تب ہی سامنے سے اس کا "منظورِ نظر" آتا نظر آیا تھا۔ وہ چلتے چلتے ٹھٹک کر رک گئی تھی۔ وہ اس کا ڈرنا بھانپ کر خود بھی

[illegible] اس نے تنبیہی انداز میں اسے [illegible] واپس مڑ گیا تھا۔ "بیٹھیے" اسے [illegible] لیے کہتا وہ خود بھی سامنے والے [illegible] تھا۔ گھر میں پھیلے سناٹے پر اسے کچھ [illegible] ہوا۔ کیا یہ یہاں پر اکیلا رہتا ہے؟ وہ [illegible] رہی تھی۔

[illegible]؟"

[illegible] میں بس اب چلوں گی۔" وہ فوراً [illegible]

[illegible] بات نہیں ہوئی۔ کم سے کم ایک کپ [illegible] اصرار کر رہا تھا۔

[illegible] میں چلوں گی۔" وہ والٹ سینٹر ٹیبل پر [illegible] دروازے کی طرف بڑھ گئی تھی۔

[illegible] منٹ تو ٹھہریں۔" اسے رکنے کے لیے [illegible] روم سے نکل گیا تھا۔ اس کے انتظار [illegible] ہونے کے بجائے وہ باہر لان میں آ گئی [illegible] اس گھر کا لان اس کی اب تک کی زندگی [illegible] لانز سے زیادہ خوبصورت تھا۔ کافی [illegible] انداز میں درختوں وغیرہ کی قطع و برید کی گئی [illegible] گھاس کی تراش خراش بھی کافی عمدگی سے کی گئی [illegible] درخت اس لیے زیادہ خوبصورت نظر [illegible] تھے کیونکہ ان کی Placement بڑی مہارت [illegible] تھی۔ بہت سے سرخ گلابوں کے بیچ سفید [illegible] اکلوتا پودا بے حد منفرد لگ رہا تھا۔ سرخ [illegible] گھرے سفید گلاب۔ وہ اس منظر کی [illegible] پوری شدتوں سے محسوس کر رہی تھی۔ لان [illegible] بیچ چھوٹی سی مصنوعی جھیل میں صاف [illegible] پانی بکھیرتا فوارہ اور پانی کی سطح پر تیرتے واٹر [illegible] بھول چکی تھی کہ کچھ دیر پہلے وہ اس گھر سے [illegible]

"[illegible] میرے گھر کی کوئی ایک چیز تو آپ کو اچھی [illegible] اپنے عقب سے ابھرتی اس آواز نے اسے [illegible] تھا۔ اپنے انہماک پر شرمندہ سی ہوتی وہ اس کی [illegible] گھومی۔ پتا نہیں وہ کب سے آ کر خاموشی سے کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔

"یہ لیجیے۔ آپ رکنے کے لیے تیار ہی نہیں۔ اس لیے میں بس آپ کی یہی خاطر کر سکتا ہوں۔" اس کے ہاتھ میں "کٹ کیٹ" پکڑاتا ہوا وہ کسی قدر تاسف سے بولا تھا۔

"تھینک یو" کہہ کر اس نے وہ لے لی تھیں۔

"آپ نے چیک کر لیا ہے ناں اپنے پیسے وغیرہ۔" وہ گیٹ کی طرف قدم بڑھاتی ہوئی کچھ سوچ کر بولی تھی۔

"میں نے اس کی ضرورت نہیں محسوس کی۔" وہ لاپروائی سے بولا تھا۔

"پھر بھی آپ کو دیکھ لینا چاہیے تھا۔" وہ بضد ہوئی۔

"وہ بہت محفوظ ہاتھوں میں تھا مجھے کسی چیکنگ کی کوئی ضرورت نہیں۔" اس کے ساتھ ساتھ چلتا وہ اسی لاپرواہ انداز میں بولا تھا۔

"آپ نام کے علاوہ میرے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتے۔ پھر بھی یہ دعویٰ کر رہے ہیں۔" گیٹ پر پہنچ کر وہ صاف گو انداز میں بولی تھی۔

"میرا خیال ہے میں آپ کو بہت زیادہ جان گیا ہوں اسی لیے یہ بات کہہ رہا ہوں۔" وہ اپنا لاپرواہ انداز ترک کر کے سنجیدگی سے بولا تھا۔ گیٹ سے باہر قدم نکالتی وہ ٹھٹک کر رک گئی تھی۔

"کسی کو جاننے یا سمجھنے میں ضروری نہیں ہے کہ کئی سال لگیں۔ بعض لوگ کھلی کتاب کی طرح ہوتے ہیں جیسے آپ۔ نہاء! کیا اس سے پہلے کبھی کسی نے آپ کو یہ بات بتائی ہے کہ آپ کی آنکھیں آپ کے اندر کا ہر راز ظاہر کر دیتی ہیں۔ آپ کی ہر سوچ آپ کی آنکھوں کے ذریعے پڑھی جا سکتی ہے۔ کم از کم میں تو آپ کی آنکھوں کی ہر تحریر پڑھ سکتا ہوں۔"

وہ بہت گہرے لہجے میں بول رہا تھا۔ اس کا دل اچانک تیز تیز دھڑکنا شروع ہو گیا تھا۔ اپنے بارے میں اتنے مختلف جملے اور دعوے وہ بھی ایک بالکل انجان آدمی کے منہ سے' وہ بری طرح گھبرا گئی تھی۔

اسے خدا حافظ کہے بغیر وہ ایک دم چل پڑی تھی۔ اپنی گلی میں مڑنے سے پہلے اس نے مڑ کر دیکھا تو وہ گیٹ پر کھڑا اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

رات بھر اسے "میں آپ کی آنکھوں کی ہر تحریر پڑھ سکتا ہوں" نے ڈسٹرب رکھا تھا۔ بعض لوگ کتنے مختلف ہوتے ہیں، سب سے الگ۔ جیسے وہ اس کے لہجے کی انفرادیت، بات کرنے کا بے ساختہ انداز اسے سب سے الگ کر دیتے تھے۔ اپنی چھا جانے والی شخصیت اور منفرد طرزِ گفتگو کے ذریعے اسے لوگوں کو مپاٹائز کرنا آتا تھا۔

اگلی صبح نماز پڑھ کر وہ کچھ دیر لان میں ہی واک کرتی رہی، پھر اس کے بعد روڈ پر نکل آئی۔ اس روز کے بعد آج وہ دوسری مرتبہ صبح واک کرنے نکلی تھی۔ اسے واک کے لیے نکلنا بالکل بھی اچھا نہیں لگتا تھا پھر بھی وہ نکل آئی تھی اور اپنے یوں نکل آنے پر خود ہی حیران بھی ہو رہی تھی۔ وہ یونہی خالی الذہنی کی کیفیت میں اپنی سڑک کے آخر تک پہنچ گئی تھی۔ جوگنگ کرتا ہوا وہ گیٹ سے باہر نکلتا نظر آیا تھا۔ اسے نکلتے دیکھ کر وہ فوراً واپس مڑ کر تیز تیز چلنے لگی تھی۔

"یا اللہ یہ مجھے کیا ہو رہا ہے کیا میں کوئی فلمی قسم کی حرکتیں کرنے جا رہی ہوں۔" جوگنگ کرتا ہوا وہ اور دل اب ان کی گلی میں داخل ہو گئے تھے۔

"گڈ مارننگ" جوگنگ کرتا وہ اس تک پہنچ چکا تھا۔ دل اس طرف آنے کے بجائے روڈ کے دوسری طرف دوڑ رہا تھا۔ شاید وہ خود اس کے ڈر کو محسوس کر کے اس طرف نہیں آیا تھا۔ اسے خواہ مخواہ شرمندگی ہو رہی تھی۔

"آخر اتنے دنوں میں اس نے مجھے کبھی واک کرتے نہیں دیکھا کیا آج وہ حیران نہیں ہو رہا ہوگا۔" وہ جواباً بمشکل مسکراتے ہوئے گڈ مارننگ بول پائی تھی۔

"آپ کی ڈرائیونگ کا کیا حال ہے؟" وہ اس کے ساتھ ساتھ واک کرنے لگا تھا۔

"پریکٹس چل رہی ہے۔" وہ سنجیدہ لہجے میں بولی تھی۔

"آپ میرے ساتھ پریکٹس کریں میں چند دنوں میں آپ کو ڈرائیونگ میں ماہر بنا دوں گا۔" وہ بڑی فراخ دلی سے اپنی خدمات پیش کر رہا تھا۔ پھر کچھ خیال آنے پر فوراً بولا۔

"آپ چاہیں تو آج ہی آجائیں۔ ہفتے کے دن یوں بھی میری چھٹی ہوتی ہے۔ میں آپ کو پریکٹس کروا دوں گا۔ ابھی جا کر مجھے شاور لینا ہے پھر ناشتا کرنا ہے اور اخبار پڑھنا ہے۔ ایسا کریں آپ ساڑھے نو بجے تک آجائیں۔"

سارا پروگرام ترتیب دے کر وہ اس کی طرف اس طرح دیکھ رہا تھا جیسے اس سارے پروگرام میں اسے کہیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔

"ٹھیک ہے پھر میں آپ کا انتظار کروں گا۔" اس کے جواب کا انتظار کیے بغیر وہ جوگنگ شروع کر چکا تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ سڑک کے دوسرے کنارے پر پہنچ کر ٹرن کر چکا تھا۔

اس بارے میں کچھ سوچنے کی گنجائش رہی نہیں تھی۔ ظاہر ہے اسے وہاں نہیں جانا تھا۔ اپنی صبح کی حرکت پر ہی وہ بری طرح چڑ رہی تھی۔ آخر یہ شخص میرے اعصاب پر کیوں سوار ہو رہا ہے۔ مان نہ مان میں تیرا مہمان۔ بلاوجہ بے تکلف ہونا۔ اتنا ڈرائیونگ سکھانے کا شوق ہے تو کوئی ڈرائیونگ اسکول جوائن کر لو اور وہیں جا کر اپنا شوق پورا کرو۔

ثوبیہ آنٹی اور انکل کے جانے کے بعد وہ یہی سب کچھ سوچتی بے دلی سے اخبار لیے بیٹھی تھی۔ گھڑی پر اس کی نظر گئی تو نو بج کر بیس منٹ ہو رہے تھے۔ دوبارہ اخبار پر نظریں مرکوز کر دیں مگر کسی خبر میں کوئی دلچسپی محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ ایک دم اخبار سائیڈ میں رکھ کر وہ کھڑی ہوئی اور دوپٹہ ٹھیک کرتی کمرے سے باہر نکل آئی۔

"کیا حرج ہے اگر میں چلی جاؤں۔ وہ اتنا مہذب اور کلچرڈ ہے۔ کون سا میں اس سے عشق لڑانے جا رہی ہوں۔" اس کے گھر کی جانب قدم اٹھاتی وہ خود کو سمجھا

[illegible] سے باہر نکل کر وہ خود بھی وہیں [illegible] انتظار کر رہا تھا۔

"[illegible] وقت کی پابند ہیں۔" وہ اتنے پر اعتماد [illegible] تھا [illegible] اس کے آنے کا سو فیصد یقین [illegible] منٹ پہلے تک یہ فیصلہ کیے بیٹھی [illegible]۔ [illegible] کی چابی اس کے ہاتھ میں [illegible] سیٹ پر بیٹھ گیا تھا۔

"[illegible] اسٹارٹ کریں۔"

"[illegible] بتائیں کہ آپ کو میرے ڈرائیونگ [illegible] کیوں ہے؟" وہ خود کو پوچھنے سے [illegible] سوال کیا۔

"[illegible] نوکری چھوڑ کر جانے والا ہے اس [illegible] سنجیدگی سے بولا تھا۔ چھوٹے منہ میں [illegible] بھی آفر کی گئی تھی۔

"[illegible] نہ تو دشمن ملک کا ایجنٹ ہوں اور نہ [illegible] جاسوس۔ آپ بلاوجہ مجھے مشکوک [illegible] دیکھیں۔" وہ ہنستے ہوئے بولا تھا۔

"[illegible] آپ اپنے بارے میں کچھ بتاتے کیوں نہیں [illegible] کر بولی تھی۔

"[illegible] تو بتاؤں گا ناں۔ بلاوجہ اپنی ہسٹری [illegible] چاہتا ہے سامنے والے کو اس میں دلچسپی [illegible] وہ منہ پھٹ انداز میں بولا تھا۔

"چلیں اب پوچھ رہی ہوں آپ بتائیں۔" گاڑی [illegible] کرتے ہوئے وہ بولی تھی۔

"[illegible] سے پہلی بات تو یہ ہے کہ آپ نے گاڑی [illegible] انداز میں اسٹارٹ کی ہے۔ اگر آپ کے [illegible] ٹیسٹ کے وقت میں وہاں کا انچارج ہوا تو [illegible] اسٹارٹ دیکھ کر ہی آپ کو فیل کر دوں گا۔ دوسری [illegible] تعارف تو نام تو میرا آپ جانتی ہی ہیں۔ میری [illegible] کے بارے میں یقیناً آپ کو وزٹنگ کارڈ [illegible] چل گیا ہوگا باقی یہ ہے کہ۔" ابھی وہ اپنی بات [illegible] ہوئے تھا کہ وہ بیچ میں بول پڑی۔

"[illegible] نے آپ کے والٹ کی کسی چیز کو ہاتھ نہیں [illegible] تھا۔ مجھے نہیں پتا آپ کیا جاب کرتے ہیں۔" وہ

اس کے انداز پر بے ساختہ ہنس پڑا تھا۔

"چلیں مان لیا آپ نے نہیں دیکھا تھا۔"

"چلیں مان لیں نہیں میں نے بالکل نہیں دیکھا تھا۔ آپ کا نام تک میں نے آپ کے گیٹ پر کھڑے ہو کر جلدی جلدی دیکھا تھا۔" وہ دوبارہ چڑے انداز میں بولی تھی۔

"کیوں نہیں دیکھا تھا۔" اس نے فوراً سوال کیا تھا۔

"دوسروں کی چیزوں میں گھسنا جہالت اور بدتمیزی ہے۔" وہ جواباً بولی تھی۔

"گاڑی روکیں۔" اس کے کہنے پر نہاء نے بریک لگا دیا تھا۔

"جیسے اسٹارٹ برا تھا ویسے ہی گاڑی روکنا بھی بکواس تھا۔" جیب سے والٹ نکال کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے مایوسی سے بولا تھا۔

"مجھے "دوسروں" میں شامل کر کے آپ نے میرا بہت دل دکھایا ہے۔ اب آپ یہ والٹ لے کر پورا خالی کریں اور اس میں موجود ہر چیز دیکھنے کا آپ کو پورا پورا حق ہے۔" وہ روٹھے ہوئے لہجے میں بولا تھا۔

"اور دوستوں میں اس قسم کی اجنبیت اور غیریت بالکل اچھی نہیں لگتی۔" وہ اس کی حیران شکل پر نظریں جمائے مزید گویا ہوا تھا۔

"دوستوں" نہاء نے دوستوں کو کافی لمبا کھینچا تھا۔

"میری آپ کے ساتھ دوستی کب ہوئی۔" وہ ہونق شکل بنائے بیٹھی تھی۔

"کب ہوئی کو رہنے دیں۔ یہ بتائیں کہ دوستی ہے تو ہاں۔" نہاء کو تسلیم کرنا پڑا کہ بات کو گھما پھرا کر کرنے میں یہ شخص حد درجہ مہارت رکھتا ہے۔ اب زبردستی سہی لیکن اسے دوست تسلیم کیے بغیر کوئی چارہ نہیں تھا چنانچہ وہ گردن ہلا گئی۔

"یہ ہوئی نا خوشی کی بات۔ اب اس خوشی میں آپ میرے ساتھ کافی پئیں گی۔" وہ خوش ہو کر بولا تھا۔

"آپ اپنا تعارف کروا رہے تھے۔" کافی کی بات نظر انداز کر کے وہ فوراً بولی تھی۔ "ہاں تعارف" وہ

اسے اشارے سے گاڑی دوبارہ اسٹارٹ کرنے کے لیے کہتا ہوا اپنے بارے میں بتانے لگا۔

"ترکی کا رہنے والا ہوں۔ استنبول میں میری پیدائش ہوئی۔ ڈیڈی کی جاب اس قسم کی تھی کہ مختلف ممالک میں ان کا ٹرانسفر ہوتا رہتا تھا اس وجہ سے تعلیم مختلف ممالک کے مختلف تعلیمی اداروں میں حاصل کی۔ سینئر کیمبرج کے بعد میں امریکہ چلا گیا تھا' وہاں سے اکنامکس میں ماسٹرز کی ڈگری لی پھر اس کے بعد 'یونیورسٹی آف ڈیلس' سے بزنس ایڈمنسٹریشن میں ڈگری لی آج کل ایک ملٹی نیشنل فرم میں مارکیٹنگ ڈائریکٹر کی حیثیت سے کام کر رہا ہوں۔ پچھلے ڈیڑھ سال سے پاکستان میں پوسٹڈ ہوں۔ بہن بھائی وغیرہ ہیں نہیں۔ پانچ سال ہوئے ممی ڈیڈی کا ایک کار ایکسیڈنٹ میں انتقال ہو گیا۔ فی الحال بیچلر لائف انجوائے کر رہا ہوں۔"

"اچھا تو آپ ترکی کے رہنے والے ہیں۔"

"جی۔ ویسے آپ نے کہاں کا سمجھا تھا۔" وہ بغور اسے دیکھ رہا تھا۔

"مجھے لگا تو ایسا ہی تھا مگر میں سو فیصد پر یقین نہیں تھی۔"

"گیئر بدلنے میں بھی ابھی آپ کو کافی محنت کی ضرورت ہے۔ بجائے سیکنڈ گیئر کے آپ فورتھ گیئر لگا دیتی ہیں۔" وہ اس کی خامی بتانے کے بعد کچھ خیال آنے پر دوبارہ بولا۔

"میں نے پچھلے ڈیڑھ سال میں آپ کو پہلے یہاں کبھی نہیں دیکھا۔ آپ کیا کہیں گئی ہوئی تھیں۔ یا ویسے ہی گھر سے باہر کم نکلتی ہیں۔"

"میں کراچی میں رہتی ہوں۔ یہاں تو اپنی آنٹی انکل کے پاس چھٹیاں گزارنے آئی ہوں۔ بابا کو آفس کے کام سے کوریا اور جاپان جانا تھا میں نے سوچا اکیلے وہاں کیا کروں گی آنٹی سے ہی مل آؤں۔" وہ اپنی توجہ سامنے مرکوز رکھتے ہوئے بولی تھی۔

"اوہ! تو اس کا مطلب ہے کہ کچھ دنوں میں آپ واپس چلی جائیں گی۔" وہ کچھ مایوس سا نظر آنے لگا تھا۔ نماء نے بے اختیار چونک کر اسے دیکھا تھا۔

"اور آپ کے گھر میں کون کون ہے۔ آپ کیا کرتی ہیں کچھ اپنے بارے میں بتائیں۔" وہ جلدی سے بات بدل گیا تھا۔

"میں نے بھی اکنامکس میں ہی ماسٹرز کیا ہے۔ آج کل کمپیوٹر پروگرامنگ کے کچھ کورسز کر رہی ہوں۔ گھر میں بس میں اور بابا ہیں۔ بڑی بہن کی شادی ہو چکی ہے۔"

"الٹے ہاتھ پر ٹرن کریں اور ٹرن کرتے ہی اسٹیئرنگ فوراً سیدھا کر لیجیے گا۔" اس کی بات کے جواب میں ہدایات جاری کرتا ہوا وہ بغور اسے ٹرن کرتا دیکھ رہا تھا۔ گاڑی روڈ پر نکل آئی تھی اسی لیے وہ ایک دم کونشس ہو گئی تھی۔

"ابھی اچھی خاصی آپ نارمل طریقے سے گاڑی چلا رہی تھیں اب کیا ہو گیا۔ یہ چہرے پر ہوائیاں کیوں اڑ رہی ہیں۔" وہ اسے سرزنش کرتا ہوا بولا تھا۔

"مجھے ڈرائیونگ کرنے میں کوئی پرابلم نہیں ہوتی بس میرا دل چاہتا ہے کہ جہاں میں گاڑی چلاؤں وہ روڈ بالکل خالی ہو۔ دور دور تک کوئی اور گاڑی بس' رکشہ' ٹیکسی کچھ بھی نہ ہو۔" وہ روانی میں اپنے دل کی بات بتا گئی تھی اور جواب میں وہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑا تھا۔ آدھا گھنٹہ ڈرائیو کرنے کے بعد وہ لوگ واپس گھر آ گئے تھے۔

"آیئے۔ کافی بھی پئیں گے اور میں آپ کو اکنامکس کی بہت اچھی اچھی کتابیں بھی دکھاؤں گا۔ آپ یقیناً انجوائے کریں گی۔" گاڑی کا دروازہ کھولتا ہوا وہ اس سے مخاطب ہوا تھا۔

"نہیں آج رہنے دیں۔ پھر کبھی آؤں گی۔" انکار کرتے ہوئے وہ بھی گاڑی سے اترنے لگی تھی۔

"چلیں جیسی آپ کی مرضی۔ اچھا بیٹھی تو رہیں۔" وہ خود بھی گاڑی کا دروازہ دوبارہ بند کرتا ہوا بیٹھ گیا تھا۔

"اب کہاں جانا ہے۔" وہ حیران ہوئی تھی۔

"آپ گاڑی اسٹارٹ تو کریں۔" اس کے کہنے پر وہ دوبارہ گاڑی چلانے لگی تھی۔ اپنی گلی میں ٹرن ہوتے

... گئی تھی کہ اوزان اسے گھر تک ڈراپ کرتا ... گھر کے سامنے گاڑی روک کر وہ اتر گئی

... آپ کو میں چائے پلا رہی ہوں۔" وہ گاڑی ... ڈرائیونگ سیٹ کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس ... کر ایک دم رک گیا تھا۔

... آفر پہلے میں نے کی تھی۔ اس لیے پہلے ... دعوت قبول کریں گی پھر میں آپ کی۔" وہ ... انسی بھرے انداز میں کہتا فوراً ہی چلا گیا تھا۔

... بابا کا فون آیا تھا۔

"کیا بات ہے آج تو میری بیٹی بہت خوش لگ رہی ہے۔"

... بابا کی بات پر حیران رہ گئی تھی۔

"آپ نے کیسے اندازہ لگایا؟"

"بس لگا لیا" وہ ہنستے ہوئے بولے تھے۔

"بتا نا ہیں ناں" وہ دوبارہ بضد ہوئی تھی۔

"بس اپنی بیٹی کی کھنکتی ہوئی آواز اور لبوں ... مسکراہٹ مجھے بتا رہی ہے کہ وہ خوش ہے۔" وہ پیار ... بولے تھے۔

"آپ کو مسکراہٹ کیسے نظر آئی۔"

"اب یہ کیسے اور کیوں رہنے دو تم خوشی کی وجہ ... " وہ اپنے مخصوص پر شفقت انداز میں بولے ...

"آج تو بابا آپ کب واپس آئیں گے میں آپ کو ... مس کر رہی ہوں' کا وظیفہ بھی نہیں پڑھا گیا۔ بتا ... آخر خوشی کا پس منظر کیا ہے۔" وہ بابا کی قیافہ ... پر حیران تھی۔

"کوئی بھی خاص بات نہیں ہوئی بابا۔ شاید موسم کی ... خوشگواری نے میرے موڈ کو بھی خوشگوار بنا دیا ہے۔ ... تیز بارش ہو رہی ہے۔ ثوبیہ آنٹی اور میں پکوڑے ... بنانے کا پروگرام بنا رہے تھے۔ بس بہت مزہ آ رہا ہے۔ ... سچ ہے ناں بابا مجھے بارش کتنی اچھی لگتی ہے۔" ... کے ساتھ کافی دیر بات کرنے کے بعد ریسیور رکھ کر ... سے اتری تو نظر ڈریسنگ ٹیبل کے شیشے پر ...

"اپنی بیٹی کی کھنکتی ہوئی آواز اور لبوں پر مسکراہٹ مجھے بتا رہی ہے کہ وہ خوش ہے۔"

"بابا آپ اتنی دور ہو کر بھی میرے دل کے کتنے قریب ہیں جو بات خود میں نے محسوس نہیں کی تھی آپ نے میلوں دور ہو کر محسوس کر لی۔ ILoveyou بابا' ہاں بابا میں خوش ہوں۔ کوئی چیز ہے جو میرے دل کو خوش کر رہی ہے۔ ایسا پہلے کبھی نہیں ہوا۔ مگر میں بہت بہت خوش ہوں۔ زندگی بہت پیاری لگ رہی ہے۔ بابا میری اس خوشی کے قائم رہنے کی دعا کیجیے گا۔" آئینے میں نظر آتے اپنے عکس پر نظریں جمائے وہ دل ہی دل میں بابا سے مخاطب تھی۔

رات کو خواب میں اس نے بابا کو دیکھا تھا۔ ایک بڑی خوبصورت وادی تھی۔ ہر طرف پھول ہی پھول' تتلیاں' ہریالی اور سرسبز و شاداب درخت اونچے اونچے پہاڑ' جھرنے' معطر ہوائیں۔ اس خوبصورت وادی میں وہ اور بابا سنگ سنگ چل رہے تھے۔ پھر اس منظر میں ایک اور شخص بھی شامل ہو گیا تھا۔ کتنا مکمل تھا وہ منظر۔ کہیں کوئی کمی نہیں تھی۔ وہ بابا اور اوزان تینوں ساتھ ساتھ کتنے خوش لگ رہے تھے۔ اس کی آنکھ کھلی تو وہ جاگتی آنکھوں سے بھی کتنی دیر تک اسی منظر کو دیکھتی رہی۔

"کیا یہ سپنا سچ ہو سکتا ہے؟" وہ لیٹے لیٹے سوچے جا رہی تھی۔

"اس کے دل میں میرے لیے کیا ہے میں نہیں جانتی۔ بلکہ میں تو خود اسے ہی زیادہ اچھی طرح نہیں جانتی۔ پھر ایسا کیوں ہو رہا ہے۔"

اپنی آنے والی زندگی سے متعلق ہر فیصلہ کرنے کا اختیار بابا کو سونپنے کے بعد وہ خود تو بہت مطمئن زندگی گزار رہی تھی۔ بابا نے خود اس سلسلے میں دو تین بار پہلے اس سے کھل کر بات کی تھی۔ بار بار اس سے پوچھا تھا کہ اگر وہ کسی کو پسند کرتی ہے تو انہیں اس کی پسند پر کوئی اعتراض نہ ہو گا۔ بابا تنگ نظر یا دقیانوسی خیالات کے مالک نہیں تھے۔ مگر اسے کبھی بھی کوئی اس لحاظ سے اچھا ہی نہیں لگا تھا۔ وہ سمجھتی تھی کہ بابا

اس کے لیے جو بھی فیصلہ کریں گے وہ سب سے بہتر ہو گا۔ اس نے اپنے بارے میں ہر فیصلہ بابا پر چھوڑ دیا تھا۔ مگر اب زندگی میں وہ آیا تھا ایک دم اچانک۔ وہ اس کے حواسوں پر چھا گیا تھا۔ جسے نہ وہ ڈھنگ سے جانتی تھی اور نہ ہی اپنے بارے میں اس کی فیلنگز اسے پتا تھیں۔ پھر بھی وہ اسے سوچ رہی تھی۔

♥ ♡ ♡ ♥

صبح کے وقت جوگنگ اور ایکسرسائز کرنا اس کی بہت پرانی عادت تھی اور اسی جوگنگ نے اسے اس بہت ہی پیاری لڑکی سے ملوا دیا تھا۔ اس اجنبی شہر میں دل اس کا سب سے بہترین دوست تھا۔ دن کا باقی وقت تو دفتری مصروفیات اور بھاگتی دوڑتی زندگی کا ساتھ دینے میں گزر جایا کرتا تھا۔ صبح کا وقت ہی خالصتاً اس کا اپنا وقت ہوتا تھا اور یہ وقت وہ اور دل ایک ساتھ گزارتے تھے۔ اس روز وہ جاگنگ کرنے نکلا تھا تو اس نے سوچا بھی نہیں تھا کہ آج کا دن زندگی میں کتنی بڑی تبدیلی لانے والا ہے۔

اردگرد سے بے نیاز اپنی ہی کسی سوچ پر مسکراتی وہ لڑکی پتا نہیں کیوں اسے اپنی جانب متوجہ کر گئی تھی۔ وہ اس پل اپنی فیلنگز کو بالکل نہیں سمجھ پایا تھا مگر وہ اس لمحے کو کھونا نہیں چاہتا تھا۔ اس کا دل چاہا تھا کہ وہ اس لڑکی سے بات کرے۔ کیا بات تھی اس میں ایسی جو اسے متوجہ کر گئی تھی۔ کیا اس کی خوبصورتی؟ ہاں وہ خوبصورت تھی مگر وہ ایسی سطحی چیزوں سے مرعوب ہونے والوں میں سے ہرگز نہ تھا۔ اس کی بے شمار لڑکیوں سے دوستیاں تھیں۔ اس کی کلاس فیلوز اور کولیگز ان میں ایک سے بڑھ کر ایک حسین لڑکی بھی تھی مگر ان میں سے کوئی ایک بھی اسے اس لحاظ سے اچھی نہیں لگی تھی۔ شاید اس کی مسکراہٹ اوزان کو اپنی جانب متوجہ کر رہی تھی۔ بہرحال وہ اس لمحے کی گرفت میں آچکا تھا۔ وہ اس سے بات کرنا چاہتا تھا مگر کس طرح؟ یوں سڑک پر بغیر جان پہچان کے کسی سے بات کیسے کی جاسکتی تھی۔ اس نے اشارے سے دل کو اس طرف دوڑنے کے لیے کہا تھا۔ دل کا کیم سخیم وجود اکثر لڑکیوں کے ڈرنے کا سبب بنتا تھا اور اس کے حسب توقع وہ ڈر کر چیخنے لگی تھی۔ لڑکیوں سے بات کرنے کا موقع حاصل کرنے کے لیے کالج بوائز کی طرح کی حرکت پر خود کو سرزنش کرنے کے باوجود اس نے اپنی اس شرارت کو انجوائے بھی بہت کیا تھا۔ اسکول کے دنوں میں اپنے کلاس فیلوز کو ایسی حرکتیں کرتے دیکھ کر وہ ان کا مذاق اڑایا کرتا تھا اور آج اس مچور عمر میں آکر خود وہی سب کر رہا تھا۔

دوسری مرتبہ وہ اسے اپنے ہی گھر کے باہر ملی تھی۔ وہ لڑکی دو دنوں میں اسے بھولا نہیں تھا۔ دوبارہ اس کے مل جانے پر وہ بہت خوش ہوا تھا وہ بری طرح نروس لگ رہی تھی۔ اوزان کو وہ بہت معصوم اور سہمی ہوئی لگ رہی تھی۔ اس روز جوگنگ کرتے ہوئے وہ جس کیفیت کو وقتی سمجھ رہا تھا وہ وقتی نہیں تھی۔ اس کا ڈرنا اوزان کو اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ اس روز اس کے چہرے پر اسے وہ مسکراہٹ بھی نظر نہیں آئی جس کی وجہ سے وہ اس کی جانب متوجہ ہوا تھا۔ پھر تو اوزان جاگنگ کرتے وقت دو چار سیکنڈ رک کر اس گھر کی طرف ضرور دیکھا کرتا تھا کہ شاید وہ نظر آجائے۔ مگر وہ کہیں نظر ہی نہیں آرہی تھی۔ پھر ایک روز جب وہ گروسری شاپ میں داخل ہو رہا تھا اسے وہ بیکری میں جاتی نظر آئی۔ اس کے ساتھ کوئی خاتون بھی تھیں۔ اپنی خریداری چھوڑ چھاڑ وہ بھی بیکری میں داخل ہو گیا تھا۔ اسے فارنر جان کر وہ دونوں آرام سے اردو میں بات چیت کر رہی تھیں جو کہ مکمل طور پر اس کی سمجھ میں آرہی تھی۔ اسلام آباد پوسٹنگ سے بھی پہلے اردو سے اس کی اچھی خاصی واقفیت تھی۔ اس کی ماں جس زبان کی مشہور شاعرہ اور افسانہ نگار تھیں کیا وہ اسے سرسری سا بھی نہ جانتا۔ مزید بہتری اسلام آباد قیام کے دوران آگئی تھی۔ نہ صرف یہ کہ وہ اردو سمجھ لیتا تھا بلکہ بول بھی لیتا تھا۔ اردو بولنی اس نے اپنی ممی سے ہی سیکھی تھی۔ یہ اور بات تھی کہ وہ یہاں لوگوں کے ساتھ انگلش میں بات کرتا تھا۔

اس کا دل چاہتا تھا کہ وہ اس لڑکی سے ڈھیر ساری باتیں کرے۔ اپنے بارے میں ہر بات اسے بتائے ہر وہ بات جو اس نے کبھی کسی سے شیئر نہیں کی اس کے ساتھ شیئر کرے۔ مگر کس طرح۔ ایسا کوئی حوالہ کوئی درمیان میں نہیں تھا کہ اس کے ساتھ دوستی کر سکتا۔ وہ حد درجہ ریزرو اور لیے دیئے رہنے والی لگ رہی ہوتی تھی۔ وہ اس پر اپنا کوئی غلط امپریشن نہیں ڈالنا چاہتا تھا۔

اس نے اپنی ممی سے پاکستانی لڑکیوں کی شرم و حیا کے بہت قصے سنے تھے۔ مگر یہاں آکر اسے اپنے ملک کے کلچر اور پاکستانی کلچر میں کچھ خاص فرق محسوس نہ ہوا تھا۔ اس کی اچھی فیملیز کی پڑھی لکھی لڑکیوں کو پارٹیز میں انجوائے کرتے، سگریٹ پیتے اور ڈانس کرتے دیکھ کر اسے لگا کہ وہ اسلام آباد میں نہیں شاید استنبول یا انقرہ میں ہے۔ شاید ترکی کی طرح یہاں بھی ماڈرن اسلام آچکا تھا۔ اسلامی روایات کی پاسداری کرنے والے جہاں Extremist اور Fundamentalist کہلاتے ہیں۔ بے ہودگی اور بے پردگی کے ایسے ایسے مظاہرے کہ وہ مشرقی کلچر کے نام سے پناہ مانگنے لگا تھا۔ ایسے ماحول میں ایک ایسی لڑکی ملنا جس سے بات کرنے اور ملاقات کرنے کے لیے وہ مختلف بہانے سوچ رہا تھا۔ اسے خود ہی حیران کر رہا تھا۔ بک فیسٹ میں بھی ان دونوں کی ملاقات اتفاقاً ہوٹل میں ہوئی تھی۔ وہ ایک بزنس لنچ اٹینڈ کرنے آیا تھا۔ جب ہوٹل سے نکلتے ہوئے اس نے اسے دیکھا تھا اور پھر اسے فالو کرتے کرتے وہ اسی اسٹال پر پہنچ گیا تھا۔ اسے اندازہ تھا کہ مزید ایک دو ایسے اتفاقات اور ہو گئے تو وہ مشکوک ہو جائے گی۔ اسی لیے اگلی ملاقات کا اہتمام اس نے اپنا والٹ وہاں گرا کر کیا تھا۔ اس کی توقع کے عین مطابق وہ والٹ واپس کرنے پہنچ گئی تھی۔

وہ بے چینی سے ٹیرس پر کھڑا اس کے آنے کا انتظار کر رہا تھا۔ اس کے بہت اصرار پر اندر آجانے کے باوجود وہ کچھ پریشان سی تھی۔ اس کا دل چاہا تھا کہ وہ اس سے کہے۔

”سنو نمراء! تم زندگی میں کسی اور پر اعتبار کرو نہ کرو مگر مجھ پر تم آنکھیں بند کر کے بھروسہ کر سکتی ہو۔“ اس کے روکنے کے باوجود وہ رکی نہیں تھی مگر اوزان کے لیے یہی بہت تھا کہ وہ آئی تھی۔ اگلا روز اس کے لیے بہت سی خوشیاں لایا تھا۔ اس نے نمراء سے کہا تھا کہ وہ اس کی آنکھوں کی ہر تحریر پڑھ سکتا ہے اور یہ بات بالکل سچ تھی۔ ان بولتی آنکھوں کا ہر راز وہ فوراً پالیا کرتا تھا اور اس روز ان آنکھوں میں اس نے اپنے لیے بڑے خوبصورت رنگ دیکھے تھے وہ بات جو وہ چھپا لینا چاہتی تھی مگر اس کی آنکھیں اسے بتا رہی تھیں۔ وہ آنکھیں اسے بڑے انوکھے اور البیلے خواب دکھا رہی تھیں۔ کیا محبت ایسی ہی زور آور ہوتی ہے؟ کیا اسی طرح اچانک کوئی انجان شخص سب سے زیادہ اپنا لگنے لگتا ہے؟ وہ اب زندگی کا ہر پل اسی لڑکی کی سنگت میں بتانا چاہتا تھا۔

♥ ♡ ♡ ♥

وہ نماز پڑھ کر اپنے کمرے سے نکل کر بالکونی میں آکر کھڑی ہو گئی تھی۔ ہلکی ہلکی پھوار پڑ رہی تھی۔ دل کے ساتھ ساتھ دوڑتا اوزان دور سے ہی اسے دیکھ چکا تھا۔ نمراء نے اسے دیکھ کر مسکراتے ہوئے ہاتھ ہلا دیا تھا۔

”آپ اتنے اچھے موسم میں گھر کے اندر کیا کر رہی ہیں۔ باہر آکر موسم انجوائے کریں۔“ وہ زور سے بولا تھا۔ پھر وہ رک کر اس کا انتظار کرنے لگا تو وہ گردن ہلاتی ہوئی واپس اندر چلی گئی تھی۔ شال اوڑھ کر تھوڑی دیر بعد وہ گیٹ سے باہر آئی تھی۔ سڑک کے کنارے کھڑا وہ خود کو وارم اپ کر رہا تھا۔

”میرے معصوم سے دل سے ڈر کر آپ بالکل بھی اچھا نہیں کر رہیں۔“ دل کی وجہ سے وہ کترا کر تھوڑا دور ہٹ کر چل رہی تھی۔ اتنے خونخوار اور خطرناک کتے کے لیے ”معصوم“ کا لقب اسے خاصا قابل اعتراض لگا تھا۔

”آپ ایک بار ہمت کر کے قریب آئیں یہ آپ کو کچھ بھی نہیں کہے گا۔“ وہ اسے تسلی دینے والے

انداز میں سمجھا رہا تھا۔ اس کا دل رکھنے کی خاطر وہ تھوڑا سا قریب آئی تو ول ایک دم بھونک کر اس کے قدموں سے لپٹا تھا۔ وہ ہلکی سی چیخ مار کر دور ہٹ گئی تھی۔

"وہ آپ کو ویلکم کہہ رہا ہے۔ اپنے انداز سے آپ کو سمجھانا چاہ رہا ہے کہ مجھ سے ڈرو مت۔" وہ شاید ول کی "نفسیات" میں P.H.D کیے بیٹھا تھا۔

"آپ اس سے کہیں کہ یہ پیروں سے نہ لپٹے" وہ دوبارہ قریب آتے ہوئے ڈر کر بولی تھی۔ ول بھی اپنے مالک کے اشارے خوب سمجھتا تھا۔ اب کی بار اس کے قریب آنے پر وہ پر تکلف انداز میں خاموشی سے خراماں خراماں چلتا رہا تھا۔ ان دونوں کے درمیان شان بے نیازی سے چلتا وہ شاید خود کو پرنس آف ویلز سمجھ رہا تھا۔ نہاء کو اس کے گردن اکڑا کر چلنے پر ایک دم ہنسی آئی تھی۔

"بس اب آپ ول سے ڈرنا چھوڑ کر اس سے دوستی کریں۔" اسے ہنستا دیکھ کر وہ بھی مسکراتا ہوا بولا تھا۔

"آپ دن بھر کیا کرتی رہتی ہیں؟" کچھ دیر بعد وہ بولا تھا۔

"کچھ بھی نہیں۔ صبح سے دوپہر تک اخبار، ٹی وی اور کمپیوٹر کے ساتھ وقت گزار لیتی ہوں۔ ڈھائی تین بجے تک آنٹی آجاتی ہیں۔ پھر باقی کا دن ثوبیہ آنٹی اور انکل کے ساتھ کہیں نہ کہیں گھومتے پھرتے میں گزر جاتا ہے۔" وہ سیدھے سادے انداز میں اپنی روٹین بتا رہی تھی۔

"مطلب یہ کہ دن میں آپ کافی بور ہوتی ہیں۔"

"کسی حد تک یہ بات کہی جاسکتی ہے۔ اکیلے اچھی خاصی بوریت ہوتی ہے۔" وہ اس کی بات سے اتفاق کرتے ہوئے بولی تھی۔

"ویسے آپ یہ بات کیوں پوچھ رہے تھے؟"

"بس یونہی" وہ اس کی بات کے جواب میں لاپروائی سے بولا تھا۔

"میرا خیال ہے اب مجھے واپس چلنا چاہیے۔ میرا ناشتے پر انتظار ہو رہا ہوگا۔" وہ گھڑی پر نظریں دوڑاتے ہوئے بولی تھی۔ وہ بھی اس کے ساتھ ہی واپس پلٹ گیا تھا۔

"کیا آپ آج لنچ میرے ساتھ کرسکتی ہیں؟" اس کی گلی میں داخل ہوتے ہوئے وہ آہستگی سے بولا تھا۔ نہاء نے ایک دم چونک کر اسے دیکھا۔ وہ بڑی آس بھری نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"مجھے پتا ہے آپ اس بات کو اچھا نہیں سمجھتیں لیکن پلیز منع مت کیجیے گا۔ میں آپ سے بہت سی ضروری باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ جو یوں سڑک پر نہیں کی جاسکتیں۔" وہ ہر صورت اسے راضی کرلینا چاہتا تھا۔ اسے تذبذب میں مبتلا دیکھ کر وہ کچھ چپ سا ہوگیا تھا۔ وہ فیصلہ نہیں کرپارہی تھی کہ اسے کیا جواب دینا چاہیے لیکن اپنے گھر کے سامنے رکتے ہوئے وہ بے ساختہ بولی تھی "میں آؤں گی۔" اور ان تین لفظوں نے اسے کتنا خوش کردیا تھا وہ اپنی خوشی چھپا نہیں پایا تھا۔

"تھینک یو۔" وہ مسکراتا ہوا بولا تھا۔

"میں آپ کا انتظار کروں گا۔" تب وہ ایک دم آگے بڑھ گیا تھا۔ اس کا خوشی سے دمکتا چہرہ ذہن میں بسائے وہ اندر آگئی تھی۔

"کیا بات ہے بڑی پابندی سے واک ہونے لگی ہے۔" ثوبیہ آنٹی انڈے پھینٹتے ہوئے مصروف انداز میں بولی تھیں۔

"میں اوزان کے ساتھ واک کرنے گئی تھی۔" اسے ثوبیہ آنٹی سے جھوٹ بولنا اچھا نہیں لگا تھا۔

"اوزان وہی ہینڈسم سا فارنر بندہ؟" وہ ذہن پر زور ڈالتے ہوئے معنی خیز انداز میں مسکرائی تھیں۔

"جی وہی" وہ عام سے انداز میں کہتی کچن ٹیبل کے آگے رکھی کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی تھی۔

"سب خیر تو ہے ناں۔ معاملہ صرف دوستی تک ہے یا کوئی اور بات بھی ہے۔" ثوبیہ آنٹی شرارت سے مسکرائی تھیں۔

"کیا ہوگیا ہے ثوبیہ آنٹی آپ کو۔ وہ اچھا پڑھا لکھا بندہ ہے اس سے باتیں کرکے مزہ آتا ہے اور بس آپ

[illegible] مت سوچیں۔"

[illegible] انداز میں تردید کرتے ہوئے بولی تھی۔

[illegible] وقت ان دونوں نے ایک دوسرے سے کہی [illegible] نہیں تھی۔ ابھی تو وہ اس کے بارے میں سب کچھ [illegible] نہیں تھی۔ پھر قبل از وقت کیوں اس بات کا [illegible] دیتی۔

ابھی اس کے ذہن میں بہت سے خدشات تھے [illegible] اندیشے اسے پریشان کررہے تھے۔ وہ خود بھی [illegible] کر اس کے بارے میں ہر بات جان لینا [illegible]۔ ابھی تو وہ خود بھی کوئی خواب دیکھنے سے ڈر [illegible]۔

♥ ♡ ♡ ♥

اس کے بیل کرنے پر وہ خود گیٹ کھولنے آیا تھا۔ [illegible] جیسے اس کے گھر کسی بہت بڑی سلطنت کی [illegible] نے قدم رنجہ فرما دیے ہوں۔ اسے کچھ جھجک سی [illegible] رہی تھی۔ وہ کبھی لڑکوں سے بے تکلف [illegible] ہوئی تھی۔ اپنے کزنز تک سے اس کی صرف [illegible] ہیلو ہی تھی۔ اس کے چہرے پر بڑا بڑا لکھا "الرٹ" کسی کو بھی اس سے بے تکلف ہونے کی اجازت نہیں دیتا تھا۔ کسی مرد کی طرف سے انویٹیشن [illegible] جانا اور اسے قبول بھی کرلینا اس کے لیے بڑا انوکھا اور غیر معمولی تجربہ تھا۔

"مجھے آپ کا لان بہت اچھا لگتا ہے۔" وہ اس کے ساتھ چلتے ہوئے لان پر نظریں دوڑاتی ہوئی بولی تھی۔

"اس بات کا اندازہ مجھے پچھلی بار ہی ہوگیا تھا۔ آپ بھی میری طرح نیچر لونگ لگتی ہیں۔" مرکزی دروازہ کھول کر اندر داخل ہوتے ہوئے وہ ایک نظر اس پر ڈال کر بولا تھا۔

لاؤنج میں اسے بٹھا کر وہ خود کہیں چلا گیا تھا۔ ادھر ادھر نظریں دوڑاتے ہوئے وہ لاؤنج کا جائزہ لے رہی تھی۔ ایک دو منٹ میں ہی وہ واپس آگیا تھا۔ پیچھے پیچھے ملازم کولڈ ڈرنکس لیے اندر آیا تھا۔

"یہ آپ کے ممی ڈیڈی کی تصویر ہے۔" سامنے دیوار پر ٹنگی تصویر کو بغور دیکھتے ہوئے نہاء نے پوچھا تھا۔

"جی" پیپسی کا سپ لیتے ہوئے اس نے جواب دیا تھا۔

"بہت خوبصورت کپل ہے۔ ویسے آپ کی ممی کی شکل کچھ جانی پہچانی سی لگ رہی ہے۔ شاید میں نے انہیں پہلے کہیں دیکھا ہے۔" وہ ذہن پر زور ڈالتے ہوئے بولی تھی۔

"بالکل دیکھا ہوگا۔ اگر آپ کو اردو لٹریچر میں دلچسپی ہے تو آپ نے انہیں ضرور دیکھ رکھا ہوگا۔" وہ حیران ہوئے بغیر بولا تھا۔

"اردو لٹریچر؟" وہ ایک پل کے لیے متعجب ہوئی تھی۔ گلاس ٹیبل پر رکھتے ہوئے وہ اٹھ کر دیوار کے پاس چلی گئی تھی۔

"ولا آنند" بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا تھا۔ تصویر سے نظریں ہٹا کر وہ پلٹ کر سوالیہ نظروں سے اوزان کو دیکھنے لگی تھی۔

"بالکل صحیح پہچانا آپ نے" وہ مسکراتے ہوئے بولا تھا۔ وہ اس کی فیورٹ افسانہ نگار کا بیٹا تھا یہ بات جان کر بھی وہ خوش نہیں ہوپائی تھی۔ زندگی کی تلخ سچائیوں کو بے نقاب کرتے ولا آنند کے افسانے اور دل کے تاروں کو چھوتی ہوئی مختصر نظمیں اسے بے حد پسند تھیں۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ یہ خیال کہ وہ ایک ہندو عورت کا بیٹا ہے۔ اس کی ٹرکش نیشنلٹی کے بارے میں جاننے کے باوجود اسے اسی بارے میں سب سے زیادہ خدشات تھے۔ وہ ابھی تک اندازہ نہیں لگا پائی تھی کہ وہ مسلمان ہے یا نہیں۔ براہ راست اس بارے میں اس سے کچھ پوچھنا اسے مناسب نہیں لگ رہا تھا۔ وہ اس کے چہرے پر نظریں جمائے پتا نہیں کیا چیز پڑھ رہا تھا۔ وہ اپنی الجھن میں گرفتار اس کی نظریں محسوس نہیں کرپائی تھی۔ واپس صوفے پر آکر بیٹھتے ہوئے وہ کچھ چپ چپ سی تھی۔ اپنے چہرے پر گڑی اس کی نگاہیں محسوس کرکے وہ کچھ سٹپٹا سی گئی تھی۔

"بہت اچھے افسانے ہوتے تھے آپ کی ممی کے۔"

میرے پاس ان کے سارے افسانوی مجموعے ہیں۔"
اپنے تاثرات اس سے چھپا لینے کی سعی کرتے ہوئے وہ زبردستی مسکرائی تھی۔

"شکریہ" وہ گہری نگاہیں اس پر ڈالتے ہوئے بولا تھا۔ ملازم نے آکر کھانا لگ جانے کی اطلاع دی تو وہ اسے ساتھ لیے ڈائننگ روم میں آگیا تھا۔ اس کا اب یہاں رکنے کو جی نہیں چاہ رہا تھا۔ اچانک بہت سارا رونے کی خواہش دل میں مچل رہی تھی۔ اس کے سامنے والی کرسی سنبھالنے کے بعد وہ پلیٹ اس کے آگے کرتا ہوا مختلف ڈشز پیش کر رہا تھا۔

"آپ کی پسند ناپسند کا تو مجھے پتا نہیں تھا۔ جو جو چیزیں مجھے پسند ہیں وہ سب بنوالیں کہ آج آپ میری پسند کا کھانا کھائیں۔" ٹیبل پر موجود مختلف اٹالین ڈشز دیکھ کر اس کا دل بھر آیا تھا۔ کیا دو مختلف جگہوں کے رہنے والے لوگوں کی پسند ناپسند یکساں ہو سکتی ہے؟ اٹالین کھانے اس کے من پسند تھے۔ وہ جب بھی باہر کھانا کھانے جاتے نہاء کی چوائس اٹالین ڈشز ہوتی تھیں۔ اٹالین ڈشز کے ساتھ ساتھ بریانی کی موجودگی کی وجہ وہ ہنستے ہوئے بتا رہا تھا۔

"پاکستانی کھانوں میں مجھے سندھی بریانی بہت پسند ہے۔ میری ممی سکھر کی رہنے والی تھیں۔ سندھی اسپیکنگ اور یہ بریانی وہ بہت مزے کی بناتی تھیں۔ مجھے اور ڈیڈی کو ان کے ہاتھوں کی بنی یہ بریانی بہت پسند تھی۔" وہ اس کے تاثرات سے بے نیاز بڑے آرام سے کھانا کھا رہا تھا۔

"نہاء سے مت پوچھیں کیا پکنا ہے، یہ محترمہ بریانی کے علاوہ کسی اور چیز کا نام لے سکتی ہیں۔" مہرو کی آواز کہیں پاس ہی سنائی دی تھی۔ اس کی آنکھوں میں مرچیں سی لگنے لگی تھیں۔ سر جھکائے خاموشی سے ایک ایک نوالہ لیتی وہ خود کو کمپوز کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

وہ اسے اصرار کر کر کے مختلف ڈشز لینے کے لیے کہہ رہا تھا۔ کھانے کے بعد واپس لاؤنج میں آتے ہوئے وہ آہستگی سے بولی تھی۔

"میرا خیال ہے اب مجھے چلنا چاہیے۔"

"اتنی جلدی ابھی تو میں آپ کو اپنے ہاتھوں کی گرین ٹی پلواؤں گا۔" وہ اسے بیٹھنے کے لیے کہتا بھی بیٹھ گیا تھا۔ چپ چاپ سر جھکائے بیٹھے اچانک اسے احساس ہوا کہ اوزان بالکل خاموش ہے۔ وہ اتنا چپ کیوں ہے؟ نہاء نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا تو وہ گہری نظروں سے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ اس کے دیکھنے پر بھی اس نے اپنی نظریں نہیں ہٹائی تھیں۔ نہاء کو اس کی آنکھوں سے خوف آ رہا تھا۔ اپنی کوئی بھی سوچ اس پر ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی گڑبڑا کر اس نے اپنا سر دوبارہ جھکا لیا تھا۔

"ابھی کتنا عرصہ اور آپ پاکستان میں رہیں گے؟" وہ خود کو سرزنش کرتے ہوئے نارمل انداز میں بولی تھی۔

"نہاء تم مجھ سے وہ بات پوچھو، جو پوچھنا چاہتی ہو۔" گہرے گمبھیر لہجے میں یہ جملہ وہ اردو میں بولا تھا۔ عام حالات میں وہ شاید اس کے اردو بولنے پر حیران ہوتی مگر اس وقت اس کی بات اسے حیران ہونے کا موقع نہیں دے پائی تھی۔ وہ بری طرح نروس ہو گئی تھی۔ اضطراری انداز میں ہاتھ مسلتی وہ کنفیوز سی بیٹھی تھی۔ وہ اس شخص سے اپنی کوئی سوچ نہیں چھپا سکتی۔ اس نے خود سے اعتراف کیا تھا۔

"میں شراب نہیں پیتا، جھوٹ نہیں بولتا، اپنے عہد کی پاسداری کرتا ہوں، لوگوں کے ساتھ لین دین میں ایمانداری سے کام لیتا ہوں۔ کسی کو دھوکا نہیں دیتا۔ اگر میری ان تمام اچھائیوں کے باوجود بھی تم مطمئن نہیں تو تمہاری تسلی کے لیے میں بتا دوں کہ ہاں میں مسلمان ہوں۔" وہ اس کی شرمندہ شرمندہ سی شکل پر نظریں جمائے بول رہا تھا۔ نہاء پلکیں جھپکائے بنا اس غیر معمولی ذہین آدمی کو دیکھے جا رہی تھی۔

"میرے ڈیڈی ایک لبرل قسم کے مسلمان گھرانے کے فرد تھے۔ ایک ایسا گھرانہ جہاں سب کے نام مسلمانوں والے ہوتے ہیں۔ کسی بھی جگہ مذہب کے خانے میں اپنا مذہب اسلام لکھنے کی حد تک مسلمان۔

اس کے علاوہ اسلام کا ان لوگوں کی زندگیوں سے دور دور تک کوئی واسطہ نہیں تھا اور ڈیڈی تو اچھے خاصے Atheist تھے۔ پڑھنے کے لیے کیمبرج یونیورسٹی گئے تو وہاں ان کی ملاقات وملا آنند سے ہوئی۔ جو ایک کٹر ہندو گھرانے سے تعلق رکھتی تھیں۔ تعلیم وغیرہ کی آزادی دینے کے باوجود ان کے خاندان میں لڑکیوں کی شادیاں اپنے ہم مذہبوں میں بھی ذات پات دیکھ کر کی جاتی تھیں۔ ایک کنزرویٹو گھرانے سے تعلق رکھنے کے باوجود خود ان کا مذہب کی طرف زیادہ رجحان نہیں تھا۔ کلاس فیلو ہونے کے ناطے ابتدا میں دوستی اور پھر بعد میں ایک دوسرے سے محبت نے انہیں شادی کے رشتے میں باندھ دیا تھا۔ ڈیڈی کے گھر والوں کو تو اس رشتے پر کوئی اعتراض نہ تھا مگر ممی کے گھر والوں نے شادی کے بعد ان سے قطع تعلق کر لیا تھا۔ ڈیڈی نام کے مسلمان اور ممی نام کی ہندو۔ ان دونوں کے درمیان یہ ایگریمنٹ تھا کہ مذہب کے معاملے پر کبھی آپس میں نہیں الجھیں گے۔ ان دونوں کے لیے کسی بھی مذہب کی کوئی اہمیت نہ تھی۔ وہ ایک دوسرے کے ساتھ بہت خوش تھے۔

میں نے اپنے ممی ڈیڈی میں مثالی محبت دیکھی۔ مذہب کے معاملے میں ممی ڈیڈی نے مجھے مکمل آزادی دی تھی۔ نہ ڈیڈی نے کبھی مجھ پر کوئی دباؤ ڈالا نہ ممی نے۔ سچی بات تو یہ تھی کہ اپنے گھر کے اس ماحول کو دیکھتے ہوئے میں مذہب کو زیادہ اہم سمجھتا ہی نہیں تھا۔ نہ میں نے ڈیڈی کو کبھی نماز پڑھتے دیکھا نہ ممی کو پوجا پاٹ کرتے۔ ممی کبھی کبھار اپنے گھر والوں کو یاد کر کے اداس ہو جایا کرتی تھیں۔ ان کے بہت دفعہ کونٹیکٹ کرنے کے باوجود وہاں کوئی بھی ان کی صورت دیکھنے تک کا روادار نہ تھا۔

تعلیم مکمل کر کے میں امریکہ سے واپس استنبول آیا تو ممی مجھے بہت بدلی ہوئی محسوس ہوئیں وہ بہت سوشل تھیں' ادبی حوالے سے بھی ان کا وسیع حلقہ احباب تھا۔ مگر اب اچانک وہ گوشہ نشین ہو گئی تھیں۔ لوگ انہیں مختلف فنکشنز میں انوائٹ کرتے اور وہ معذرت کر لیتیں۔ ممی کے رویے کی یہ تبدیلی میرے لیے تعجب خیز تھی۔ میں نے ممی کو کئی مرتبہ رات کے وقت اکیلے ٹیرس پر بے چین پھرتے دیکھا میرے بہت پوچھنے پر بھی وہ مجھے کچھ نہیں بتاتی تھیں۔ ان کے مزاج کی یہ تبدیلی ڈیڈی کے لیے بھی بہت پریشانی کا باعث بن رہی تھی۔ وہ ممی کی یہ کیفیت میرے آنے سے بھی پہلے سے برداشت کر رہے تھے۔ ممی ان دنوں کافی وقت پوجا کرتے اور گیتا پڑھتے ہوئے گزارنے لگی تھیں۔ میرے ماں باپ خدا کے وجود کے ہی منکر تھے اور اب یہ تبدیلی؟ میں نے ڈیڈی سے اس بارے میں بات کی تو وہ کچھ افسردگی سے بولے۔

"وملا کو اس عمر میں آ کر مجھ سے شادی کے فیصلے پر پچھتاوا ہونے لگا ہے۔ ہم میں کوئی اختلاف کوئی لڑائی نہیں لیکن وہ پھر بھی خوش نہیں۔ اسے اپنے ماں باپ' اپنا وطن' اپنے لوگ' اپنے تہوار یاد آنے لگے ہیں۔ لیکن اب وہ سب اسے واپس نہیں مل سکتا یہ زندگی خود اس کی پسند کردہ تھی اور اب وہ زندگی کو اس رخ سے دیکھنے لگی ہے کہ اس نے زندگی میں جو فیصلے کیے وہ سب غلط تھے۔"

ڈیڈی کا دکھ میں سمجھ سکتا تھا وہ ممی سے بہت پیار کرتے تھے۔ مگر اس مسئلے کا میرے پاس کوئی حل نہیں تھا۔ خود میرے لیے مذہب بڑی ثانوی سی چیز تھی۔ جس روز ممی ڈیڈی کار ایکسیڈنٹ کا شکار ہوئے اس صبح میری ممی سے بڑی تفصیلی بات ہوئی تھی۔ وہ بڑے دنوں بعد مجھے اٹھانے میرے کمرے میں آئی تھیں۔ میرے پاس بیٹھ کر میرے بالوں میں انگلیاں چلاتے ہوئے بالکل پہلے کی طرح۔ مجھے ان کا ایسا کرنا بہت اچھا لگ رہا تھا۔

"شکر ہے ممی آپ کو یاد تو آ گیا کہ اس گھر میں آپ کا ایک عدد اکلوتا بیٹا بھی موجود ہے۔" میں نے اپنا سر ان کی گود میں رکھتے ہوئے لاڈ سے شکوہ کیا تھا۔ وہ میری بات پر ہلکا سا مسکرائی تھیں۔

"ممی بس آپ پہلے کی طرح ایکٹو ہو جائیں۔ مجھے اپنی رائٹر اور شاعرہ ممی سے عشق ہے۔ جن کے فینز

[illegible] ہم لوگ وصول کرتے ہیں۔ [illegible] بھی نہیں لکھا۔ ممی کچھ [illegible]

[illegible] نہیں چاہتا میری جان۔" وہ میری [illegible] سے بولی تھیں۔ میں ایک [illegible] تھا۔ ممی کی آنکھوں میں جھلملاتے [illegible] اور پریشان کر گئے تھے۔ [illegible] تک لکھ سکتا ہے۔ میرے [illegible] اور پھر بھی خوش رہتے ہیں۔ [illegible] وہ انہیں تخلیق کر رہا ہے [illegible] ہے۔ تمہیں پتا ہے اوزان [illegible] تو ایسا لگتا ہے جیسے کسی [illegible] لکھنے کی صلاحیت ہی چھین لی [illegible] رہا ہے اور میں بے بسی سے [illegible]

[illegible] تھیں۔ میں بے بسی سے بیٹھا [illegible] رہا تھا۔ ان کے مسئلے کا میرے پاس [illegible] نہیں تھا۔

[illegible] زندگی اسے بھلائے اپنی ذات میں [illegible] بھی نہیں بھولا وہ اسی طرح مجھے [illegible] میری غلطیوں کی سزا مجھے نہیں دی۔ [illegible] ڈیڈی کو ہارٹ اٹیک ہوا تھا۔ میں [illegible] تمہیں اطلاع نہیں دی کہ پریشان ہو [illegible] امتحان بھی چل رہے تھے۔ میرے [illegible] بھی نہیں تھا۔ میں کس کے پاس جاتی [illegible] زندگی کی بھیک مانگتی۔ وہ ICU میں [illegible] کشمکش میں مبتلا تھے اور تب کتنے [illegible] بھگوان سے ان کی زندگی کے لیے [illegible] اس نے پھر میری لاج رکھ لی تھی۔ [illegible] ٹھیک ہو کر گھر آ گئے مگر میں پھر کبھی [illegible] بھی نہیں پائی۔ ساری زندگی اسے [illegible] وہ مجھے نہیں بھولا اور اب جبکہ میرا [illegible] بھی نہیں تھا میں نے مانگا اور اس نے مجھے [illegible] "وہ ہچکیوں سے رو رہی تھیں۔

ایسا لگ رہا تھا کہ کب کب کے دکھ آنسوؤں کے ساتھ بہہ رہے تھے۔

"اوزان میری جان میں نے زندگی میں بہت غلطیاں کیں۔ تم ایسا مت کرنا۔ مذہب کے بغیر انسان کچھ نہیں۔ آج میری کوئی پہچان نہیں۔ مجھے ایسا لگتا ہے میرا وجود زمین اور آسمان کے بیچ کہیں معلق ہے۔ مجھے اپنے پیروں کے نیچے زمین محسوس نہیں ہوتی۔ مجھے میرے ماں باپ بہن بھائی یاد آتے ہیں۔ اپنے گھر کے رسم و رواج اور چھوٹی چھوٹی باتیں میں انہیں کیسے بھول سکتی ہوں۔ وہ سب میرے خمیر میں ہے۔ ان سے بھاگ کر بھی میں بھاگ تو نہیں پائی۔ کاش میں نے اپنی پسند سے ہی شادی کی ہوتی مگر کسی ہم مذہب سے۔ تب زندگی کتنی بامعنی ہوتی۔ میرا اپنا ایک وجود ہوتا۔ میری اپنی پہچان ہوتی۔ ہم نے اپنے ساتھ ساتھ تمہارے ساتھ بھی زیادتی کی۔ اوزان تم ہم لوگوں کی طرح کھوکھلی زندگی مت گزارنا۔ تم خدا کو نہیں مانو گے تو وہ خود اپنا آپ تم سے تسلیم کروا لے گا۔ مگر پچھتاووں کے ساتھ ہی کیوں۔ ابھی سے کیوں نہیں۔"

مرنے سے پہلے یہ میری ممی سے آخری طویل بات ہوئی تھی۔ اس رات وہ اور ڈیڈی کسی دوست کی عیادت کے لیے جا رہے تھے کہ راستے میں ان کی گاڑی کا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا۔ ممی تو موقع پر ہی دم توڑ گئی تھیں۔ ڈیڈی شدید زخمی ہو گئے تھے۔ حادثے کی اطلاع پاتے ہی میں بدحواس ہو کر اسپتال بھاگا تھا۔ وہ شاید میرے انتظار میں آخری سانسیں لے رہے تھے۔

"اوزان تم کسی مسلمان لڑکی سے شادی کرنا۔" ٹوٹ ٹوٹ کر بمشکل ان کے منہ سے یہ الفاظ نکلے تھے۔ میرے ماں باپ ختم ہو گئے تھے۔ اپنے اپنے دلوں میں بہت سے پچھتاوے لیے۔ ممی نے اپنے پچھتاووں کا اظہار کر دیا تھا جبکہ ڈیڈی خاموش رہے تھے۔ میں نے ماں کی چتا جلائی تھی اور باپ کو دفنایا تھا اور اس روز پہلی مرتبہ میں نے مذہب کی اہمیت تسلیم کی تھی۔ ہاں نہا یہ سچ ہے کہ مذہب کے بغیر انسان

کچھ نہیں چاہیے وہ کتنا ہی اچھا کیوں نہ ہو۔ مجھے ماں کا مذہب اختیار کرنا تھا یا باپ کا۔ تب میں فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا۔ میری معلومات دونوں مذاہب کے بارے میں بہت کم تھیں۔ میں بچہ ہی تو تھا اتنا ہی الجھ رہا تھا۔ مجھے کسی نے بھی اپنے اپنے مذہب کے بارے میں کچھ بھی نہیں بتایا تھا۔

پھر ایک دن میں نے خدا سے سوال کیا کہ میں کس مذہب کا انتخاب کروں؟ میں فیصلہ نہیں کر پا رہا۔ جو مذہب سچا ہے آپ اس طرف میرا دل پھیر دیجیے۔ مجھے یاد ہے اس روز سونے سے پہلے تک بستر پر لیٹا میں اپنے خدا سے ہم کلام رہا تھا۔ میں نے اس سے رہنمائی مانگی تھی اور اس نے میری رہنمائی کی تھی۔ صبح جب میں بیدار ہوا تو فیصلہ ہو چکا تھا۔ جب جستجو ہو تو راستہ خود بخود آسان ہو جاتا ہے۔ جو باتیں میرے ماں باپ نہیں سکھا پائے تھے میں آہستہ آہستہ سیکھتا چلا گیا۔ اپنے مذہب سے متعلق تمام ضروری باتیں، فرائض، حدود میں سب سے آگاہ ہوتا گیا۔

اس بات کو پانچ سال گزر گئے ہیں۔ ابھی بھی میں یہ دعویٰ تو نہیں کرتا کہ بہت اچھا مسلمان ہوں۔ ہاں میں نماز پڑھتا ہوں۔ ڈرنک نہیں کرتا، جھوٹ نہیں بولتا۔ خود کو گناہوں سے بچانے کی کوشش کرتا ہوں، اس سب میں کبھی بھول چوک بھی ہو جاتی ہے مگر وہ پھر بھی مجھے معاف کر دیتا ہے۔ کبھی مجھے راستے سے بھٹکنے نہیں دیتا۔"

وہ ایک گہری سانس لے کر چپ ہو گیا تھا۔ نماء ایک ٹک اسے دیکھے جا رہی تھی۔

"تمہیں اسی بات کی پریشانی تھی ناں نماء؟" وہ نہ اس سے جھوٹ بول سکتی تھی اور نہ ہی بولنا چاہتی تھی سو بے ساختہ انداز میں اس نے گردن ہلا دی تھی۔

"میں نے تم سے اپنے بارے میں کچھ نہیں چھپایا۔ یہی ہوں میں۔ اچھا یا برا اپنا ماضی اور حال سب میں نے تمہیں بتا دیا۔"

وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتا ہوا بول رہا تھا۔

"آپ بہت اچھے ہیں لوزان، دوسروں سے بالکل مختلف۔" وہ خود کو اس کی تعریف کرنے سے نہیں روک پائی تھی۔

"اچھا تو خیر نہیں ہوں۔ تمہیں لگ رہا ہوں تو دوسری بات ہے۔" وہ سنجیدگی چھوڑ چھاڑ یکدم شرارت پر آمادہ نظر آیا تھا۔ وہ اس کی بات پر ایک دم جھینپ گئی تھی۔

"میں تمہیں اچھا لگتا ہوں ناں؟" وہ اسی شرارتی مسکراہٹ کے ساتھ سوالیہ انداز میں بولا تھا۔

"بہت دیر ہو گئی۔ تو یہ آنٹی آئی ہوں گی۔" وہ ایک دم بوکھلا کر اٹھ گئی تھی۔ اس کے انداز پر وہ مسکرا دیا تھا۔

"بیٹھو۔ کرین تو رہ ہی گئی۔" وہ مسکراہٹ لبوں پر روکتا ہوا بولا تھا۔ اپنا شرمانا اور نروس ہونا اسے بالکل بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا مگر وہ خود کو اس پل کمپوز نہیں کر پا رہی تھی۔ اسے خود ہی شاید اس کی حالت پر رحم آگیا تھا اس لیے مزید اصرار نہیں کیا تھا۔ وہ اسے گیٹ پر خدا حافظ کہنے آیا تھا۔ اسے گاڑی اسٹارٹ کرتا دیکھ کر وہ افسردگی سے بولا تھا۔

"جس روز تم گاڑی کو اسٹارٹ صحیح طرح کرو گی۔ میری طرف سے ٹریٹ ہو گی۔ مگر لگتا ہے اس ٹریٹ کا موقع کبھی آئے گا نہیں۔" ہنستے ہوئے اس نے گاڑی آگے بڑھا دی تھی۔

♥ ♡ ♡ ♥

رات کو وہ اپنے کمرے میں بیڈ پر نیم دراز ٹی وی دیکھ رہا تھا جب فون کی بیل بجی تھی۔ ریسیور اٹھاتے ہی نماء کی آواز کانوں سے ٹکرائی تھی۔

"لوزان آپ مجھے بہت اچھے لگتے ہیں۔" وہ اس کی بات پر مسکرا دیا تھا۔

"سب سے اچھا نہیں؟" سوالیہ انداز میں پوچھا گیا تھا۔

"نہیں سب سے اچھے تو مجھے بابا لگتے ہیں۔ ان جتنا اچھا تو کوئی اور لگ ہی نہیں سکتا۔" وہ صاف گوئی سے بولی تھی۔

"چلو بابا سے کم ہی سہی۔ یعنی اچھا لگنے والوں میں میرا دوسرا نمبر ہے۔" وہ کھل کر مسکرا لیا تھا۔

"ہاں" وہ بڑے مطمئن انداز میں بولی تھی۔

"اور تم نے اپنے بارے میں مجھ سے نہیں پوچھا کہ تم مجھے سب سے زیادہ اچھی لگتی ہو یا نہیں؟" وہ مدھم سی مسکراہٹ چہرے پر لیے پوچھ رہا تھا۔

"آپ خود ہی بتا دیں۔" وہ فون پر بڑی بہادر بنی باتیں کر رہی تھی۔ شاید اس کے منہ پر وہ یہ باتیں کبھی بھی نہ کہہ پاتی۔

"میں نے کتابوں اور کہانیوں میں محبت کا بہت ذکر سنا تھا۔ مگر در حقیقت یہ کیسی ہوتی ہے یہ مجھے تم سے مل کر پتا چلا۔ تم سے مل کر میں نے جانا کہ محبت وہ ہوتی ہے جب آپ کو کوئی اپنے ہی وجود کا حصہ لگنے لگے۔ جب کوئی اور اپنے ہی وجود میں دھڑکتا اور سانس لیتا محسوس ہو۔ جب یہ لگے کہ زندگی بس اسی کی وجہ سے ہے۔ زندگی کے تمام رنگ اسی کی مرہون منت ہیں جب دوسرے کی خوشیاں اور غم سب اپنے لگنے لگیں اور تم نے نماء مجھے محبت کے معنوں سے آشنا کروایا ہے۔"

"پتا چل رہا ہے کہ میرا مخاطب ایک بہت بڑے شاعر کا بیٹا ہے۔" اس نے بات ہنسی میں اڑائی تھی مگر اندر ہی اندر ان لفظوں کی سچائی اور گہرائی اسے اپنی گرفت میں لے چکی تھی۔

خدایا اس محبت کو میرا نصیب کر دے۔ اس بہت پیارے انسان کو میری زندگی میں شامل کر دے۔ اس رات اس نے بہت شدت سے اپنے رب سے دعا کی تھی۔ صبح وہ واک کے لیے نکل ہی رہی تھی کہ بابا کا فون آگیا۔ وہ اسے اپنی واپسی کی اطلاع دے رہے تھے۔ بابا سے بات کر کے وہ خوشی خوشی باہر نکل آئی تھی۔ کچھ ہی دیر میں وہ بھی آتا نظر آگیا تھا۔ آج اسے اس سے بھی ڈر نہیں لگا تھا۔ اس کے ساتھ چلتے ہوئے اس نے بابا کی واپسی کا بتایا تو وہ ایک دم چونک گیا۔

"یعنی تم جانے والی ہو۔"

"ہاں۔ بس کل کا دن اور میں یہاں ہوں۔ پرسوں شام کے وقت بابا پہنچیں گے۔ میں کوشش کروں گی کہ صبح یا دوپہر کی فلائٹ سے کراچی پہنچ جاؤں۔ گھر بھی اتنے دنوں سے بند پڑا ہے۔ صفائی وغیرہ کرنی ہو گی پھر بابا کے لیے اپنے ہاتھوں سے کھانا پکاؤں گی۔ اف مجھے اتنی ایکسائٹمنٹ ہو رہی ہے۔ کتنے دنوں بعد میں بابا سے ملوں گی۔" وہ اس کا خوشی سے جھلملاتا چہرہ دیکھ کر خاموش ہو گیا تھا۔

"کیا ہوا آپ چپ کیوں ہو گئے؟" اسے اچانک دھیان آیا تھا۔

"کیا تمہارے جانے کا سن کر مجھے شادیانے بجانے چاہیے تھے؟ اور تمہاری بے وفائی تو مجھے ابھی سے صاف نظر آ رہی ہے۔ اتنا خوش تو میں نے تمہیں اتنے دنوں میں کبھی نہیں دیکھا۔" وہ ناراضی سے بولا تھا۔

"کیا مجھے اپنے بابا سے ملنے پر خوش نہیں ہونا چاہیے؟" وہ حیران ہوئی تھی۔

"ٹھیک ہے بابا سے ملنے پر تمہیں بہت خوش ہونا چاہیے لیکن جو شخص بابا سے ذرا کم سہی لیکن تمہیں بہت اچھا لگتا ہے اس سے دور جانے پر ہلکا سا بھی افسوس نہیں۔" وہ روٹھے لہجے میں شکوہ کر رہا تھا۔ اس کی بات سن کر وہ بے اختیار مسکرا دی تھی۔

"مجھے تو کوئی افسوس نہیں ہو رہا لیکن چلیں آپ کا دل رکھنے کے لیے میں افسردہ شکل بنانے کے لیے تیار ہوں۔" وہ اسے چڑا رہی تھی۔

"سنو میں تمہارے بابا سے ملنا چاہتا ہوں۔ ان کے آتے ہی فوراً" وہ بدستور سنجیدہ تھا۔ اس کی سنجیدگی دیکھ کر نماء کو بھی سنجیدہ ہو جانا پڑا تھا۔

"آپ بابا سے ملیں گے۔" وہ کچھ سوچتے ہوئے بولی تھی۔

"ہاں اور اب احمقوں کی طرح یہ مت پوچھنا کہ کیوں" وہ چڑ کر بولا تھا۔

"کیوں؟" وہ خود کو بولنے سے روک نہیں پائی تھی۔

"نماء" اس نے دانت پیسے تھے۔

"اگر ابھی ہم سڑک پر نہ ہوتے تو میں تمہیں اس کیوں کا اچھی طرح جواب دیتا۔" وہ جل کر بولا تھا۔

"میرے بابا بہت روشن خیال اور لبرل ہیں۔ لیکن پھر بھی آپ کا ڈائریکٹ ان سے ملنا ٹھیک نہیں۔ میں نے زندگی بھر بابا سے کبھی کوئی بات نہیں چھپائی۔ ابھی بھی نہیں چھپاؤں گی۔ پہلے میں ان سے بات کرلوں۔ پھر آپ کو انفارم کردوں گی۔" وہ ایک دم سنجیدہ ہو گئی تھی۔

"کتنے برے وقت پر تم نے واپسی کا پروگرام بنایا ہے۔ آج آفس میں اتنی امپورٹنٹ میٹنگ ہے کہ چھٹی بھی نہیں کر سکتا۔ اچھا دیکھو کل کہیں جانے کا پروگرام مت رکھنا۔ کل ہم بہت سارا وقت ساتھ گزاریں گے۔ پھر پتا نہیں کتنے دنوں بعد ملنا ہو۔" وہ بہت اداس لگ رہا تھا۔ واپس گھر آئی تو اسے محسوس ہوا کہ جس اداسی نے اسے اپنی لپیٹ میں لیا تھا وہی اسے بھی اپنی لپیٹ میں لینے لگی ہے رات میں اس کا فون آیا تھا۔

"تم کل صبح نو بجے تک آسکتی ہو؟" سلام دعا کے بعد وہ فوراً بولا تھا۔

"ٹھیک ہے آجاؤں گی۔" وہ فوراً مان گئی تھی۔ ثوبیہ آنٹی کے علم میں لائے بغیر اس سے ملنے جانا نماء کو اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ واک کرنے والی بات انہیں پتا تھی مگر یہ کہ وہ اس کے گھر بھی چلی جاتی ہے انہیں یقیناً معلوم نہیں تھا۔ مگر بہت بے تکلفی کے باوجود وہ اس بارے میں انہیں کچھ بتا نہیں پا رہی تھی۔ ہر بار ایک جھجک آڑے آجاتی تھی۔

"جب میں ثوبیہ آنٹی کو نہیں بتا پا رہی تو بابا سے کیسے بات کروں گی۔" بابا سے بہت زیادہ دوستی کے باوجود یہ بات کرنا اسے بہت مشکل لگ رہا تھا۔ ابھی سے وہ اس وقت کے لیے خود کو تیار کر رہی تھی۔ جانے سے پہلے آج وہ اس سے آخری مرتبہ ملنے جا رہی تھی۔ اسی لیے اس کا خوب اچھی طرح تیار ہونے کا دل چاہ رہا تھا۔

اپنا بلیک اور ریڈ چنری کا سوٹ پہن کر ہلکی پھلکی جیولری اور میک اپ کے بعد اس نے اپنے کمر تک آتے سلکی بالوں کو کھلا چھوڑ دیا تھا۔ نو بجنے سے تھوڑی دیر پہلے اس کا فون آگیا تھا۔

"تم نکلنا مت۔ میں تمہیں گھر پر لینے آرہا ہوں۔"

ٹھیک نو بجے وہ اسے لینے پہنچ چکا تھا۔ اسے توصیفی نظروں سے دیکھتے ہوئے اس نے گاڑی اسٹارٹ کر دی تھی۔ اسے گھر کے بجائے کہیں اور جاتا دیکھ کر وہ حیرانی سے بولی تھی۔

"ہم کہاں جا رہے ہیں؟"

"ایک جگہ ہے میری بہت پسندیدہ۔ بس آج ہم وہاں جائیں گے۔" وہ مطمئن انداز میں بولا تھا۔ وہ ایک دم کچھ بے چین سی ہو گئی تھی۔ اوزان ایک نظر اس پر ڈال کر دوبارہ ونڈ اسکرین پر نظریں جما کر بولا۔

"تمہیں مجھ پر اعتبار ہے؟" وہ اس کی فیس ریڈنگ پر اب حیران نہیں ہوتی تھی۔ اسی لیے بجائے حیران ہونے کے جواب میں "ہاں" بولی تھی۔

"اعتبار تو ہے۔ لیکن" وہ اس کی بات کاٹ کر ڈپٹنے والے انداز میں بولا۔

"جب اعتبار ہے تو پھر لیکن کا کوئی سوال نہیں۔ تمہیں مجھ پر یقین رکھنا چاہیے۔ دو ڈھائی گھنٹے میں ہم واپس بھی آجائیں گے۔ پھر ان خوبصورت لمحات کو اس فضول بحث میں برباد مت کرو۔" وہ ٹوکنے والے انداز میں بولا تھا۔

"میں چاہتا ہوں کہ تمہارے جانے کے بعد میرے پاس تمہارے حوالے سے بہت سی یادیں اور باتیں ہوں۔" وہ بڑی سنجیدگی سے بولا تھا۔ خاموشی سے ڈرائیو کرتا نہ وہ مزید کچھ بولا تھا اور نہ ہی نماء۔ دونوں خاموش رہ کر شاید ایک دوسرے کے ہونے کو پوری شدتوں سے محسوس کرنا چاہتے تھے۔ تقریباً ایک گھنٹہ کی ڈرائیو کے بعد اس نے گاڑی سڑک کے کنارے روکی تھی۔ اسے اترنے کا کہتے ہوئے وہ پچھلی طرف کا دروازہ کھول کر کچھ نکالنے لگا تھا۔ وہ بھی اس کے پاس آکر کھڑی ہو گئی تھی۔ اس کے ہاتھ میں بڑے سے سائز کی پکنک باسکٹ دیکھ کر وہ مسکرا دی تھی۔

"اچھا تو ہم لوگ یہاں پکنک منانے آئے ہیں۔"

[illegible] مسکرا دیا تھا۔ ڈیجیٹل کیمرہ اسے [illegible] کرتا ہوا وہ آگے بڑھا تھا۔

"[illegible]؟" وہ سامنے موجود چڑھائی دیکھتا ہوا [illegible] تھا۔ اونچا نیچا کافی ناہموار راستہ تھا۔

"[illegible] ہوں" وہ سنبھل کر آگے بڑھی [illegible] قدم چڑھ کر ہی اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ [illegible] بات نہیں۔ وہ اس سے چند قدم آگے [illegible] تھا۔ اس نے مڑ کر نماء کی پریشان سی شکل [illegible] بے اختیار ہنس پڑا تھا۔

"[illegible] نہیں جا رہا تو بول کیوں نہیں رہیں۔" وہ [illegible] قدم پیچھے ہٹاتا اس کے پاس آگیا تھا۔ [illegible] تھام کر وہ دوبارہ اسی رفتار سے چلنے لگا تھا۔

"[illegible] اس وقت کیا سوچ رہی ہو؟" چلتے چلتے وہ [illegible] تھا۔

"[illegible] سوچ رہی ہوں کہ یہ راستہ کب ختم ہو [illegible] سے بولی تھی۔

"[illegible]" [illegible] پھاڑ کر چلایا تھا۔

"[illegible] رومینٹک لڑکی سے واسطہ پڑا ہے۔ میں [illegible] تھا کہ تم کہو گی کہ میں سوچ رہی ہے کہ کاش یہ [illegible] کبھی ختم نہ ہو۔ ہم اسی طرح ایک دوسرے کا [illegible] تھامے ساتھ ساتھ چلتے رہیں۔ اف کتنی بور لڑکی [illegible]" وہ [illegible] سے بولا تھا۔

"اللہ نہ کرے جو میرا دماغ اتنا خراب ہوتا اور میں [illegible] خطرناک باتیں سوچتی۔ خدا نہ کرے کہ میں ہمیشہ [illegible] پہاڑی راستوں پر چلتی رہوں۔" وہ اپنے لبوں پر [illegible] مسکراہٹ اس سے چھپاتی ہوئی سنجیدگی سے بولی تھی۔

"[illegible] آپ کیا سوچ رہے تھے؟" وہ سوالیہ انداز [illegible] تھی۔

"میں یہ سوچ رہا تھا کہ ابھی اگر میں تمہارا ہاتھ [illegible] تو کیا ہو گا؟" وہ اس کی مسکراہٹ دیکھ چکا تھا [illegible] بول کر بولا تھا۔

"[illegible] کیوں رہے ہیں چھوڑ دیں۔" وہ مطمئن [illegible] بولی تھی۔

"چھوڑ دوں؟" اس نے تصدیق چاہی تھی۔

"ذرا ایک نظر مڑ کر دیکھ لو ہم کتنا اوپر آچکے ہیں۔"

"میری رائے کیوں مانگ رہے ہیں۔ آپ کا جو دل چاہ رہا ہے وہ کریں۔" وہ اسی پرسکون انداز میں بولی تھی۔ اس نے ایک دم اس کا ہاتھ چھوڑ دیا تھا۔ وہ جو بڑے مطمئن انداز میں چلتی اسے مسلسل چڑا رہی تھی بے اختیار چیخی تھی۔ اس نے فوراً ہی اس کا ہاتھ دوبارہ تھام لیا تھا۔ اس کی ناراض شکل دیکھ کر وہ ہنس رہا تھا جبکہ وہ شدید غصے کے عالم میں سر جھکائے چل رہی تھی۔ اوپر پہنچتے ہی اس نے فوراً اپنا ہاتھ چھڑوا لیا تھا۔

"ابھی اور کتنا چلنا ہے؟" وہ ناراضی سے پوچھ رہی تھی۔

"بس یہ پانچ دس منٹ کے فاصلے پر۔ جگہ تو یہ بھی بری نہیں مگر وہ جگہ یہاں سے بھی زیادہ اچھی ہے۔" وہ اطمینان دلانے والے انداز میں بولا تھا۔

اچانک ہی وہ اپنا غصہ بھول بھال کر اس جگہ کی خوبصورتی میں کھو گئی تھی۔ صنوبر اور دیودار کے درختوں میں گھری وہ جگہ کتنی حسین تھی وہاں کتنا سکون تھا۔ وہاں دور دور تک سوائے سبزے کے کچھ بھی نظر نہیں آرہا تھا۔

"میں اکثر ویک اینڈز مری، ایبٹ آباد، نتھیا گلی یا بھوربن میں گزارتا ہوں۔ ایسے ہی ایک بار اتفاقاً یہ جگہ مجھ سے یوں دریافت ہو گئی کہ میری گاڑی یہاں خراب ہو گئی تھی۔ تم نے محسوس کیا نماء! کہ یہاں قدرتی حسن کے ساتھ ساتھ کتنا سکون بھی ہے۔ کوئی شور شرابا نہیں۔ جب بھی مجھے سکون کی تلاش ہوتی ہے میں یہاں آجاتا ہوں۔" وہ سبزہ و گل میں گھرے اس جنت نظیر گوشے کی طرف اشارہ کرتا ہوا کہہ رہا تھا۔ جنگلی پھولوں کی بھینی بھینی مہک ماحول کو پرکیف بنا رہی تھی۔

نرم مخملیں گھاس پر ننگے پاؤں چلنے کی خواہش پیدا ہوئی تو وہ جھک کر سینڈلز اتارنے لگی تھی۔ باسکٹ ایک طرف رکھتا ہوا وہ پھولوں کی مختلف زاویہ سے

تصاویر لینے لگا تھا۔

"چلو ایک تصویر تمہاری بھی اس پھولے منہ کے ساتھ لوں۔"

"جی نہیں شکریہ۔ مجھے تصویریں کھنچوانے کا کوئی شوق نہیں ہے۔" وہ منہ بنا کر بولی تھی۔ مگر وہ پھر بھی تصویر کھینچ چکا تھا۔ دوسری تصویر لینے لگا تو اس نے اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لیا تھا۔

"اب تم یہ فلم ایکٹریز والے نخرے مت دکھاؤ۔" وہ اس کے منہ دوسری طرف کر لینے پر قہقہہ لگا کر ہنس پڑا تھا۔

"ویسے میں نے صرف ہاتھ چھوڑا تھا۔ گرنے تو نہیں دیا تھا۔"

"چھوڑا تو تھا۔" وہ غصے سے بولی تھی۔

"ہاں چھوڑا تو تھا چلو بھئی میری غلطی ہے۔ میں ایکسکیوز کر رہا ہوں۔" وہ بڑے آرام سے ہتھیار ڈال گیا تھا۔

"اب تم وہاں درخت کے پاس جا کر کھڑی ہو، بہت خوبصورت تصویر آئے گی۔" "آپ تصویریں کھینچنے کے بعد یہ Floppy مجھے دے دیں گے۔" وہ درخت کے پاس جاتے ہوئے بولی تھی۔

"نہیں" بڑا صاف انکار تھا۔ "کیوں؟ آپ تو آتے رہتے ہیں اور کھینچ لیجیے گا یہ مجھے دے دیں۔"

"میں اس کی ایک کاپی تمہیں بھیج دوں گا۔" وہ اطمینان دلاتے ہوئے بولا تھا۔ وہ باسکٹ میں سینڈوچز، کیک، فروٹس، کولڈ ڈرنکس، بروسٹ، چاکلیٹس وغیرہ بھر کر لایا تھا۔ ساتھ بیٹھ کر کھاتے پیتے اور ڈھیر ساری تصویریں کھینچتے وقت گزرنے کا پتا ہی نہیں چلا تھا۔ ایک دوسرے سے چھوٹی چھوٹی بے شمار باتیں کی گئی تھیں۔ وہ اسے اپنے گھر اور بابا کی باتیں بتاتی رہی تھی اور اورزلان اسے اپنے بچپن کے مختلف واقعات سناتا رہا تھا۔ اس لوگوں اور ہجوم سے دور خوبصورت اور پر فضا جگہ پر منائی گئی یہ پکنک ان دونوں ہی کے لیے یادگار تھی۔ واپس آتے وقت بھی وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اتری تھی۔ گاڑی میں بیٹھتے ہوئے وہ اس سے بولا۔

"سنو ہم یہاں جلد ہی دوبارہ آئیں گے۔"

"انشاء اللہ" اس نے دل ہی دل میں کہا تھا۔

"ہم لوگ ہر ویک اینڈ یہاں پر ہی گزارا کریں گے۔" ڈرائیو کرتے ہوئے وہ مستقبل کے حسین خواب بن رہا تھا۔ وہ اس کے ہر خواب کے سچا ہونے کی دعا کر رہی تھی کہ یہ خواب ان دونوں کے تھے۔ اس کے گھر کے سامنے گاڑی روکتے ہوئے وہ سنجیدگی سے بولا۔

"کل صبح تم چلی جاؤ گی اور میں کل ہی سے تمہارا انتظار شروع کروں گا۔" پھر اس نے ایک پل کے لیے اس کے ہاتھوں پر اپنے ہاتھ رکھے تھے اور فوراً ہی ہٹا بھی لیے تھے۔

"خدا حافظ" وہ اندر داخل ہو جانے کے بعد بھی اسے مڑ مڑ کر دیکھتی رہی تھی۔

♥ ♡ ♡ ♥

"بابا! میں نے آپ کو کتنا مس کیا ہے آپ اندازہ نہیں کر سکتے۔" ڈائننگ ٹیبل پر بابا کے ساتھ بیٹھی وہ اپنی بے تابیوں کی داستان سنا رہی تھی۔ شام سے اب تک وہ یہی جملہ کئی مرتبہ بول چکی تھی۔

"لگ تو نہیں رہا کہ مجھے مس کیا تھا مس نہا طارق نے۔ یہ کھلا کھلا فریش چہرہ تو یہ بتا رہا ہے کہ خوب سیر و تفریح کی گئی ہے اور بے چارے غریب بابا شاید ایک آدھ مرتبہ اتفاقاً یاد آ گئے ہوں گے۔" وہ اسے چھیڑتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

"بابا" ناراضی سے کہتی وہ روٹھ گئی تھی۔

"آپ میری محبت پر شک کر رہے ہیں۔"

"اچھا بھئی میری توبہ۔" وہ ہنستے ہوئے بولے تھے۔

"لیکن پھر بھی کوئی بات تو ہے میری بیٹی کی آنکھوں کی چمک بتا رہی ہے کہ اسے کوئی بہت بڑی خوشی ملی ہے۔" وہ پیار بھری نگاہیں اس کے چہرے پر ٹکائے بولے تھے۔ وہ ایک دم سٹپٹا گئی تھی۔ بابا سے کچھ چھپانا یا جھوٹ بولنا کتنا مشکل کام تھا۔ وہ بے ساختہ سر جھکا کر اپنی پلیٹ میں چاول ڈالنے لگی تھی۔

[illegible] لیے کیا کیا لائے ہیں۔ میں نے جو جو [illegible] سب لائیں ہیں نا۔" وہ جلدی سے [illegible] براہ راست ان کی آنکھوں میں [illegible] کر رہی تھی۔

[illegible] کھانے کے بعد آرام سے [illegible] کی چیزیں الگ کر دینا۔ کوئی آ جاتا [illegible]" وہ کوئی تاثر چہرے پر لائے بغیر [illegible] بولے تھے۔

[illegible] سے پہلے اس نے اپنی ای میل [illegible] کی میل موجود تھی۔

[illegible] انتظار کر رہا ہوں۔" صرف ایک مختصر [illegible] اور اس کی پھولوں کے درمیان کھینچی گئی [illegible] نے ساتھ ہی بھیجی تھی۔ وہ مونیٹر پر [illegible] کتنی دیر تک اس تصویر کو دیکھتی رہی [illegible] بھا جانے والی شخصیت کے ساتھ چہرے پر [illegible] وہ اس کے برابر میں کھڑا کتنا خوش لگ [illegible] رات بھر وہ بابا سے بات کرنے کے لیے [illegible] رہی تھی۔ اسے اندازہ تھا کہ بابا کو شاید اس [illegible] پر تھوڑا بہت اعتراض ہوگا۔ وہ یہ [illegible] کہ اس کا رہن سہن اور طرز زندگی ان کے [illegible] مطابقت نہیں رکھتا ہوگا۔ مگر جب وہ اس سے [illegible] تو ان کے تمام خدشات دور ہو جائیں گے۔ [illegible] ذہین اور زیرک تو ہی کسی بھی شخص کو لمحوں [illegible] ہے اور وہ سو فیصد ان کے معیار پر پورا [illegible] کتنی ساری عادتیں تو اس میں ہو بہو بابا والی [illegible] ابتدا میں، میں اس کی طرف متوجہ بھی اسی [illegible] تھی کہ وہ بابا کی طرح ہے۔ انہیں کی [illegible] کا پابند، سچا اور صاف گو، ذہین، نڈر اور [illegible] بابا ہی کی طرح مجھ سے بہت پیار کرنے [illegible]

"[illegible] آپ کے بعد وہی ایک ایسا شخص ہے جس [illegible] مجھے کوئی شبہ نہیں۔ آپ کے بعد اگر کوئی [illegible] نا اس اور سچی محبت کرتا ہے ایسی محبت جو بغیر [illegible] مل جاتی ہے تو وہ وہی ہے۔ میں نے اس کی آنکھوں میں آپ کی طرح سچائی اور خلوص دیکھا ہے۔"

وہ بابا کے تصور سے مخاطب ہوئی تھی۔

صبح وہ بابا کے ساتھ ہی واک کرنے پارک آئی تھی۔

"آج میں بھی آپ کے ساتھ واک کروں گی۔" وہ ان کی حیرت کے جواب میں اطمینان سے بولی تھی۔ اسے ایسا لگا تھا کہ وہ یہ بات بابا کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کبھی بھی نہیں کہہ سکتی۔ ساتھ ساتھ ٹہلتے ہوئے شاید وہ یہ بات کر جائے۔ اسے اپنے کسی عمل یا بات پر کوئی شرمندگی نہیں تھی مگر پھر بھی وہ جھجک رہی تھی۔ بابا سے ایسی بات کرنے میں ایک شرم مانع تھی۔

"مجھے آپ سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔" گھاس پر نظریں جمائے وہ آہستگی سے بولی تھی۔

"بولو" وہ بڑے آرام سے حیران ہوئے بغیر بولے تھے۔ اپنی اس لاڈلی بیٹی کی آنکھوں کا کوئی تاثر ایسا نہیں تھا جو وہ پڑھ نہ پاتے ہوں۔ وہ کل سے ہی اندازہ لگائے بیٹھے تھے کہ وہ ان سے کچھ کہنا چاہ رہی ہے۔ ایسی بات جو وہ کہنا بھی چاہ رہی ہے اور ہچکچا بھی رہی ہے۔ وہ اسے آرام سے بات کرنے کا موقع دینے کی خاطر اس پر نظر ڈالے بغیر ادھر ادھر دیکھتے ہوئے چل رہے تھے۔

"بابا میں نے آپ سے کبھی جھوٹ نہیں بولا کبھی کوئی بات نہیں چھپائی اس لیے کہ آپ سے بڑھ کر میرا کوئی اور رازدار ہے ہی نہیں۔ آپ نے مجھ سے چند مہینے پہلے پوچھا تھا کہ مجھے کوئی پسند تو نہیں اور میں نے کہا کہ نہیں۔ مگر اب ایسا نہیں ہے بابا۔"

وہ بہت آہستہ آواز میں بول رہی تھی۔ وہ اب بھی حیران نہیں ہوئے تھے انہیں بات کی نوعیت کا اندازہ پہلے ہی تھا۔ وہ توقع کر رہی تھی کہ اس کے چپ ہونے پر وہ کچھ کہیں گے یا کچھ پوچھیں گے مگر وہ اس کی طرف دیکھے بغیر خاموشی سے چلتے رہے تھے۔

"بابا آپ مجھ سے کچھ پوچھیں گے نہیں؟" وہ کچھ گھبرا کر ان کی طرف دیکھنے لگی تھی۔

"کون ہے وہ؟" وہ اب بھی اس پر نظریں ڈالے بغیر مطمئن انداز میں بولے تھے۔

"اس کا نام اوزان واصف ہے۔ ترکی کا رہنے والا ہے۔ امریکہ سے اکنامکس اور بزنس ایڈمنسٹریشن میں ڈگری لے کر آیا ہے۔ ملٹی نیشنل فرم میں مارکیٹنگ ڈائریکٹر ہے۔" وہ روانی سے سب کچھ بتاتی چلی گئی تھی۔ وہ ایک دم چلتے چلتے رک گئے تھے۔ اب وہ براہ راست اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ وہ ان کے تاثرات دیکھے بغیر سر جھکا کر مزید گویا ہوئی۔

"بابا وہ بہت اچھا ہے۔ بالکل آپ کی طرح۔ اس نے اپنے بارے میں کوئی بات بھی مجھ سے نہیں چھپائی۔ آپ اس سے ملیں گے تو آپ کو یقین آجائے گا کہ میں نے اس کے بارے میں جو کچھ بھی کہا ہے وہ اس سے بھی بڑھ کر اچھا ہے۔ وہ چاہتا تو مجھ سے یہ بات چھپا سکتا تھا کہ اس کی ممی ہندو اور ڈیڈی مسلمان گھرانے میں پیدا ہونے کے باوجود کسی مذہب کو نہیں مانتے تھے۔ مگر اس نے مجھے اپنے بارے میں ایک ایک بات پوری سچائی سے بتادی۔ بابا وہ ہم لوگوں سے کہیں اچھا مسلمان ہے۔ مجھے یقین ہے کہ میں اس کے ساتھ خوش رہ سکتی ہوں۔ وہ آپ سے ملنا چاہتا ہے بابا"

وہ آخری بات بولتے ہوئے تھوڑا سا ہچکچائی تھی۔ سر جھکائے ہوئے وہ ان کی طرف سے کسی قسم کے سوال جواب کی منتظر تھی۔ وہ اس کے بارے میں مزید کچھ پوچھیں گے اپنے خدشات ظاہر کریں گے یا ملنے کی ہامی بھریں گے۔ مگر وہ کچھ بھی نہیں بولے تھے۔ وہ ان کی خاموشی سے الجھ گئی تھی۔

"چلو نماء گھر چلتے ہیں۔" کتنی دیر بعد وہ بولے بھی تو کیا بولے تھے۔ اس نے ڈرتے ڈرتے سر اٹھا کر بابا کی طرف دیکھا تو ان کے چہرے پر نہ غصہ تھا' نہ ناراضی' نہ خوشی تھی نہ الجھن۔ بہت بے تاثر سا چہرہ تھا۔ اس نے بابا کا یہ رویہ کبھی نہ دیکھا تھا۔ وہ کچھ تو کہتے۔ کچھ بھی۔ مگر اس طرح خاموش تو نہ رہتے۔ اس کا دل انجانے وسوسوں کے حصار میں آچکا تھا۔ گھر آکر معمول کے انداز میں ناشتا کرکے وہ آفس چلے گئے تھے۔

وہ سارا دن الجھتی رہی تھی۔ خود کو آنے والے وقت کے لیے تیار کرنے لگی تھی۔ اسے یقین تھا بابا اس بارے میں بات ضرور کریں گے۔ وہ ان کے ہر خدشے کا جواب تلاش کرتی رہی تھی۔ آفس سے آکر بھی انہوں نے اس سے اس بارے میں کچھ نہیں کہا تھا۔ بس یہ تھا کہ روزانہ کے برخلاف وہ اس کے ساتھ ہنسی مذاق نہیں کررہے تھے۔ بہت خاموش خاموش تھے۔ یوں جیسے مسلسل کوئی بات سوچ رہے ہوں۔

روزانہ رات میں سونے سے پہلے وہ اس پر دم کرنے آتے تھے اس کا ماتھا چوم کر شب بخیر کہنا اور لائٹ آف کرکے نائٹ بلب جلانا ان کا برسوں کا معمول تھا۔ آج بھی وہ اس کے کمرے میں آئے تھے۔ وہ تکیے سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔ اس پر دم کرنے کے بعد جانے کے بجائے وہ سامنے رکھی کرسی پر بیٹھ گئے تھے۔ اس نے بے اختیار چونک کر ان کی طرف دیکھا تھا۔

"تمہیں مجھ پر کتنا یقین ہے نماء؟" وہ بڑی سنجیدگی سے پوچھ رہے تھے۔

"خود سے بھی بڑھ کر۔ ساری دنیا میں سب سے زیادہ۔" وہ ایک لمحے کا توقف کیے بغیر فوراً بولی تھی مگر لہجہ سہما ہوا۔

"تمہیں کیا لگتا ہے تمہاری زندگی کے بارے میں جو فیصلہ میں کروں گا وہ زیادہ بہتر ہوگا یا جو تم کروگی وہ؟"

اس کا دل اندر ہی اندر ڈوبنے لگا تھا۔ بابا نے اس طرح تو کبھی بھی بات نہیں کی تھی۔ ان کی ہر بات دوستانہ انداز میں ہوتی تھی۔

"بابا آپ کیسی باتیں کررہے ہیں۔" وہ گھبرا کر بولی تھی۔

"نماء میری بات کا جواب دو۔" وہ اس کی بات نظر انداز کرکے سرد لہجے میں بولے تھے۔

"جو فیصلہ آپ کریں گے وہ۔" وہ ان کے لہجے سے ڈر کر فوراً بولی تھی۔

"[illegible] اپنی زندگی کا فیصلہ خود کرنا بہتر سمجھتی ہو تو [illegible] اعتراض نہیں۔ لیکن اگر فیصلے کا اختیار مجھے [illegible] میری طرف سے انکار ہے۔ میں تمہیں [illegible] نہیں کروں گا اگر بات میری [illegible] ہے تو ایک ایسا شخص جس کا ہمارے کلچر [illegible] اور زبان سے دور دور تک کوئی واسطہ نہیں [illegible] انتخاب نہیں ہوسکتا۔ شادی کوئی بچوں [illegible] نہیں۔ ایسے کسی کا اچھا لگ جانا دوسری بات [illegible] ساری زندگی ساتھ نبھانا دوسری بات جس [illegible] کوئی گارنٹی ہے نہ ہی باپ' میں اس کے [illegible] بھی نہیں کرسکتا۔ یہ باتیں کتابوں [illegible] اچھی لگتی ہیں مگر حقیقت سے ان کا دور دور [illegible] واسطہ نہیں۔ ابھی اسے اسلام اچھا لگنے لگا [illegible] ہے کچھ عرصے بعد وہ تجرباتی طور پر ہندو [illegible] کر دیکھے یا پھر اپنے ممی باپ کی طرح [illegible] ہب اور قومیت انسان کے بنیادی حوالے [illegible]

[illegible] کوئی پاکستانی اور صحیح معنوں میں مسلمان لڑکا [illegible] تو مجھے کوئی اعتراض نہ تھا۔ مگر جانتے [illegible] اپنی بیٹی کو کسی تجربے کی بھینٹ چڑھانے کے [illegible] تیار نہیں۔ اگر تمہیں یہ لگ رہا ہو کہ میرا [illegible] ظالمانہ اور یک طرفہ ہے تو تمہیں مجھ سے [illegible] کرنے کی پوری پوری آزادی ہے۔ میں [illegible] کروں گا نہیں۔ ابھی تم جس عمر سے گزر رہی [illegible] میری باتیں بہت بری لگ رہی ہوں گی۔ مگر [illegible] یہی ہے۔ شادی دو خاندانوں کا میل ہوتا [illegible] اس میں صرف محبت کافی نہیں ہوتی اور بھی [illegible] باتیں دیکھنی پڑتی ہیں۔ آج سے بیس سال [illegible] جب تم میری ان باتوں کو دہراؤ گی تو تمہیں [illegible] کہ بابا کی ہر بات صحیح تھی۔ میں اپنی بیٹی کا [illegible] دیکھنا چاہتا ہوں اور مجھے نہیں لگتا کہ یہ [illegible] کے میں کوئی غلطی کررہا ہوں۔"

[illegible] اس کی آنکھوں میں دیکھنے سے گریز کررہے [illegible] سے ہم بہت پیار کرتے ہوں ان کی آنکھوں میں آنسو دیکھنا دنیا کا سب سے مشکل کام ہوتا ہے۔ وہ اپنی بات مکمل کرکے رکے نہیں تھے۔ بغیر اس کی طرف دیکھے۔ تیزی سے باہر نکل گئے تھے۔ وہ دل پر ہاتھ رکھے ساکت بیٹھی تھی۔ آنسو ایک تواتر سے بہتے چلے جارہے تھے۔

"میں تمہارا انتظار کررہا ہوں۔" کی آوازیں سماعتوں سے ٹکرا رہی تھیں۔ وہ رات کتنی طویل تھی۔ ایسا لگتا تھا اس شب کی سحر کبھی نہیں ہوگی۔

اس وقت تو یوں لگتا ہے اب کچھ بھی نہیں ہے
مہتاب نہ سورج' نہ اندھیرا نہ سویرا
آنکھوں کے دریچوں پہ کسی حسن کی چلمن
اور دل کی پناہوں میں کسی درد کا ڈیرا
ممکن ہے کوئی وہم تھا' ممکن ہے سنا ہو
گلیوں میں کسی چاپ کا اک آخری پھیرا
شاخوں میں خیالوں کے گھنے پیڑ کی شاید
اب آکے کرے گا نہ کوئی خواب بسیرا

فجر کی اذان سن کر وہ ایک دم بستر سے اٹھ بیٹھی تھی۔

"نہیں میں یوں بکھر گئی تو بابا کا کیا ہوگا۔ وہ کیا سوچیں گے کہ نماء کی مجھ سے محبت اتنی کمزور اور بودی تھی کہ ذرا سی آزمائش بھی نہ سہہ پائی۔

مانا کہ یہ سنسان گھڑی سخت کڑی ہے
لیکن مرے دل یہ تو فقط ایک گھڑی ہے

وہ اپنے اشک خشک کرتی خود کو سمجھا رہی تھی۔

صبح بابا کا سامنا کرنا اسے دنیا کا سب سے مشکل کام لگ رہا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ بابا اس سے کتنی شدید محبت کرتے ہیں اس کی روئی ہوئی آنکھیں انہیں ڈسٹرب کردیں گی۔

"گڈ مارننگ بابا۔" ٹیبل پر ناشتا لگاتے ہوئے وہ نارمل انداز میں بولی تھی۔

"گڈ مارننگ بیٹا" وہ ایک گہری نظر اس پر ڈال کر کرسی پر بیٹھ گئے تھے۔

"آج آپ تھوڑا جلدی آسکتے ہیں۔" چائے کا کپ ان کے آگے رکھتے ہوئے اس نے پوچھا تھا۔ پھر

ان کی سوالیہ نظریں دیکھتے ہوئے خود ہی کہنے لگی۔

"کل سے میرا انسٹی ٹیوٹ کھل جائے گا تو میں بزی ہو جاؤں گی۔ کچن کا کچھ سامان لینا ہے۔"

"ٹھیک ہے آجاؤں گا۔" وہ اخبار پر نظریں دوڑاتے ہوئے بولے تھے جب تک بابا گھر پر رہے تھے وہ خود کو نارمل پوز کرتی رہی تھی۔ ان کے آفس جاتے ہی وہ پھر سے بے ہمت ہو کر رو پڑی تھی۔ خود کو سنبھالنا اور نئے سرے سے جوڑنا اس کے لیے بہت مشکل کام تھا۔ مگر یہ مشکل کام اسے اپنے بابا کے لیے کرنا تھا۔ وہ انہیں کوئی بھی دکھ نہیں دینا چاہتی تھی۔

"بابا جو آپ کا فیصلہ ہے وہی میرا بھی ہے۔ کیا آپ کو دکھ دے کر میں خوش رہ سکتی ہوں۔ آپ کو دکھ پہنچانے کا تو میں تصور بھی نہیں کر سکتی۔"

وہ بابا کی اور اپنی تصویر ہاتھوں میں لیے بیٹھی تھی۔ اس کی سالگرہ کے دن کی تصویر۔ بابا اسے اپنے ہاتھوں سے کیک کھلا رہے تھے۔

"یا اللہ مجھے ہمت دے میں بابا کا مان کبھی نہ توڑوں۔ کبھی ان کا دل نہ دکھاؤں۔ جو کچھ بابا چاہتے ہیں میں وہ کروں۔" وہ گھٹنوں میں سر دیئے روئے چلی جا رہی تھی۔ اگر بات ایک دوسرے کو سمجھانے اور قائل کرنے کی ہوتی تو وہ بابا سے بہت کچھ کہہ سکتی تھی مگر بابا نے ایسی کوئی گنجائش چھوڑی ہی نہیں تھی۔ انہوں نے زندگی میں پہلی بار اپنا باپ ہونے کا حق استعمال کیا تھا اور کیا وہ اتنی خود غرض بن جاتی کہ اپنی خوشی کی خاطر بابا کا دل توڑ دیتی اور کیا اس کی خوشیاں بابا کی خوشیوں سے الگ تھیں؟

"مجھے معاف کر دینا اوزان۔ پلیز مجھے معاف کر دینا۔ بات انتخاب کی آ گئی تھی۔ مجھے تم میں اور بابا میں سے کسی ایک کو چننا تھا اور میں نے وہی فیصلہ کیا جو ایک بیٹی کو کرنا چاہیے تھا۔ تمہیں میں کبھی نہیں بھول سکتی۔ اس دل سے تمہاری یادیں مٹا دینا ناممکن ہے۔ تم ہمیشہ میرے دل میں رہو گے تمہاری جگہ کوئی نہیں لے سکتا۔ شہر دل کے دروازے اب کبھی کسی کے لیے نہیں کھلیں گے۔ میں نے زندگی میں جن دو لوگوں کو شدت سے چاہا تھا وہ دونوں مجھے بیک وقت نہیں مل سکتے تھے اور میں تقدیر سے لڑ نہیں سکتی۔"

وہ اس پیارے انسان کو دکھ دینے جا رہی تھی اور ایسا کرتے ہوئے خود اس کا اپنا دل خون کے آنسو رو رہا تھا۔

"اوزان! جو خواب ہم نے دیکھے تھے شاید ان کی تعبیر پانا ہمارے مقدر میں نہیں۔ بابا نے اپنا فیصلہ سنا دیا اور میں ان سے اختلاف کرنے کا کبھی سوچ بھی نہیں سکتی۔ مجھے معاف کر دیں مگر مجھ میں آپ کی ممی کی طرح اپنوں کو چھوڑنے کا حوصلہ نہیں۔ پلیز اس سلسلے میں مجھ سے مزید کوئی بات مت کیجیے گا' میں کمزور نہیں پڑنا چاہتی۔

آج اگر میں نے بابا کا مان نہیں رکھا تو ساری عمر خود کو معاف نہیں کر پاؤں گی۔ آپ کا بابا سے ملنا بے کار ہے۔ وہ ایک بار کسی بات کے لیے منع کر دیں تو ان کی نہ کو ہاں میں بدلنا ناممکن ہے۔ اب وہ کبھی بھی نہیں مانیں گے۔ مجھے معاف کر دیں' میں اپنا وعدہ نہیں نبھا پائی۔ میں اپنے تمام وعدے اور سارے عہد توڑ رہی ہوں۔"

آنسوؤں کی جھڑی لگی ہوئی تھی۔ بہت مشکلوں سے وہ یہ الفاظ لکھ پائی تھی۔ کتنی مشکلوں سے اس نے خود یہ سب لکھنے پر آمادہ کیا تھا۔ ای میل بھیجتے ہوئے کتنی بار اس کے ہاتھ کانپے تھے۔ یہ سب پڑھ کر اس پر کیا گزرے گی۔ وہ تو ایسے کسی جواب کی توقع بھی نہیں کر رہا ہو گا۔ اسے تو اس بات کا انتظار ہو گا کہ کب وہ اسے بابا سے ملنے کے لیے بلائے گی۔ ساری رات وہ بے چین رہی تھی۔ صبح وہ انسٹی ٹیوٹ جانے کے لیے تیار ہو گئی تھی۔ بابا ہی نے اسے چھوڑا تھا۔ خود کو معمولات زندگی میں الجھا لینے کے باوجود دل کا ایک گوشہ مسلسل بین کر رہا تھا۔ اپنے ہی اندر ماتم کرنے اور رونے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ رات میں بابا اسے کھانا کھلانے باہر لے گئے تھے۔ اس کا من پسند اٹالین ڈنر۔

"آپ کی پسند ناپسند کا تو مجھے پتا نہیں تھا۔ بس جو

چیزیں مجھے پسند ہیں۔ وہ سب بنوالیں کہ آج آپ میری پسند کا کھانا کھائیں۔"
"کیا ہوا؟ کیا سوچنے لگیں؟" بابا کی آواز اسے کسی یاد سے واپس کھینچ لائی تھی۔
"کچھ نہیں بس ویسے ہی مجھے مہو آپی کا خیال آرہا تھا۔ اب کی بار انہیں کراچی کا چکر لگائے تقریباً" سال ہونے والا ہے۔" حلق میں آنسوؤں کا پھندا اٹک رہا تھا۔ جلدی سے پانی کا گلاس بھر کر وہ پورا گلاس پی گئی تھی۔
"تو تم مل آؤ" بابا نے ایک نظر اس پر ڈال کر نوالہ منہ میں ڈالا تھا۔
"نہیں میری کلاسز مس ہوجائیں گی۔" وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولی تھی۔
"بابا اس کے بعد آئس کریم کھائیں گے اور گھر جاکر کوئی زبردست سی سسپنس مووی دیکھیں گے۔" وہ پاستا پلیٹ میں ڈالتے ہوئے پروگرام ترتیب دے رہی تھی۔
"ہاں اور پھر جب اس میں کوئی قتل وتل ہوتا ہوا دیکھو گی تو معصوم شکل بنا کر بابا آج میں آپ کے پاس سوؤں گی کہو گی۔" وہ اس کا مذاق اڑا رہے تھے۔
"صرف دو مرتبہ ایسا کیا ہے میں نے اور آپ جتاتے کتنا ہیں ناں اس بات کو۔" وہ روٹھے لہجے میں بولی تھی۔ پھر کھانے کے بعد حسب پروگرام انہوں نے آئس کریم کھائی تھی اور گھر آکر سسپنس مووی بھی دیکھی تھی۔ کمرے میں آتے ہی اس کے چہرے کی مسکراہٹ رخصت ہوگئی تھی۔
"بابا مجھے معاف کردیں۔ میں آپ کو دھوکا نہیں دے رہی لیکن اپنے دل کو سمجھانا میرے بس میں نہیں۔" کمرے سے باہر بہادری سے ہنستی نماء طارق اب بے آواز تکیے میں منہ دیئے سسک رہی تھی۔
آج کل بابا اسے روز کہیں نہ کہیں آؤٹنگ کے لیے لے جاتے تھے۔ کبھی سی ویو، کبھی الہ دین، کبھی کہیں ڈنر کرانے اور کچھ نہیں تو رات میں آئس کریم کھلانے۔

"نماء تم خوش ہونا؟" رات میں اس پر دم کرنے آتے تو اکثر یہ سوال پوچھا کرتے تھے اور وہ جواب میں "جی بابا میں بہت خوش ہوں۔" کہہ کر بہادری سے مسکرا دیا کرتی تھی۔

♥ ♡ ♡ ♥

چھ مہینے کا عرصہ پلک جھپکتے گزر گیا تھا۔ اس روز سنڈے تھا۔ وہ کچن کی تیاریوں میں مصروف تھی جب بابا بھی آکر اس کی مدد کرانے لگے تھے۔ "لاؤ میں ہرا دھنیا ہی بنا دوں۔" وہ کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولے تھے۔ بابا کو کوفتے بہت پسند تھے اور وہ وہی پکانے میں مصروف تھی۔
"تمہارے لیے سکندر کا پروپوزل آیا ہے۔" کچھ دیر بعد انہوں نے اسے مخاطب کیا تھا۔ "جانتی ہونا سکندر کو؟ وہ احمد کا چھوٹا بیٹا جو آرمی میں ہے۔"
انہوں نے اپنے دوست احمد علی خان کا نام لیا جنہیں نماء بھی بہت اچھی طرح جانتی تھی۔ کئی مرتبہ بابا کے ساتھ ان لوگوں کے گھر مختلف فنکشنز میں جانا ہوا تھا۔ خود احمد انکل اور آنٹی بھی کئی بار ان کے گھر آچکے تھے۔ فنکشنز میں شرکت کرنے کی وجہ سے وہ ان کے گھر کے تقریباً" تمام افراد سے ملی ہوئی تھی۔ مگر خاص طور پر سکندر نام کا کوئی بیٹا اسے بالکل یاد نہیں تھا۔ ان کے پانچ بیٹے اور ایک بیٹی تھی اور فوراً" سب کے نام اسے یاد نہیں تھے۔ اس کی جانب سے کسی سوال کا انتظار کرتے رہنے کے بعد وہ خود ہی مزید بتانا شروع ہوگئے۔
"ایک سال سے احمد اور بھابھی میرے پیچھے پڑے ہیں۔ رات احمد کا فون آیا تھا کہہ رہا تھا کہ ایک آدھ روز میں وہ لوگ باقاعدہ رشتہ لے کر آنا چاہ رہے ہیں۔ پہلے تو میں تمہارے کورسز کا کہہ کر ٹالتا رہا ہوں اب تم بتاؤ کیا جواب دوں؟"
وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے بول رہے تھے۔ پشت ان کی طرف ہونے کے باوجود اس کا چہرہ تھوڑا تھوڑا نظر آرہا تھا اور وہ اس پر لکھا ہر لفظ پڑھ لینا چاہتے تھے۔
"بابا! میں کیا کہہ سکتی ہوں۔ مجھے تو یاد بھی نہیں کہ

[illegible] ہیں کون۔ اگر آپ کو ٹھیک لگ رہا ہے [illegible]" وہ سر گھما کر ان کی طرف دیکھتے ہوئے [illegible]
"[illegible] نمبر ہے۔ اچھا اسمارٹ اور ہینڈسم [illegible] بار بھی ملا ہوں مجھے وہ اچھا ہی لگا [illegible]۔" وہ ہرے دھنیا کی پلیٹ اس کے [illegible] ہوئے بولے تھے۔
"[illegible] کا فیصلہ ہوگا وہی میرا بھی ہوگا۔ مجھے پتا [illegible] لیے کبھی غلط نہیں سوچ سکتے۔" وہ ان [illegible] کے جواب میں آہستگی سے سر جھکا کر [illegible]
"[illegible] احمد سے کہہ آجاؤ؟" وہ دوبارہ پوچھ [illegible] جواب میں اس نے گردن ہلا دی تھی۔
[illegible] شاید احمد انکل کے ہاں اسی روز فون کردیا تھا [illegible] اپنے بڑے بیٹے بابر اور بہو شازیہ کے [illegible] ہی روز ان کے گھر آگئے تھے۔ ان کے ہمراہ [illegible] اور پھلوں کے لوازمات دیکھ کر بابا بوکھلا گئے [illegible]
"[illegible] سب کیا ہے؟ ابھی اس سب کی کیا ضرورت [illegible] انہوں نے احمد انکل سے کہا تھا۔
"[illegible] بہت دن گن گن کر اسی دن کا انتظار کر [illegible] طارق بھائی۔ اب آپ ہرگز کوئی اعتراض [illegible] نہیں رکھتے۔ آپ ہمارے بارے میں [illegible] آپ کے بارے میں سب کچھ جانتے ہیں کسی [illegible] کی ضرورت تو ہے نہیں۔ بس آج ہی منگنی [illegible] کرلیں۔" آنٹی نے مسکراتے ہوئے کہا [illegible]
"[illegible] سب تو ٹھیک ہے، لیکن ابھی میں نے اس [illegible] مہو اور عدیل سے بات نہیں کی۔" بابا نے [illegible] سہولت سے سمجھا دیا تھا۔
[illegible] لوگ جس حوالے سے آئے تھے اس وجہ [illegible] میں آئی تھی۔ چلتے وقت آنٹی نے بطور [illegible] دیا تھا۔ اسے گلے لگا کر پیار کرتے ہوئے [illegible] مخاطب ہوئی تھیں۔

"آپ کی یہ بیٹی آج سے نہیں برسوں پہلے سے میرا انتخاب تھی۔ میں نے سوچ لیا تھا کہ جب میرا سکندر اس لائق ہوجائے گا تو آپ سے نماء کو مانگ لوں گی۔" بابا ان کی بات پر فخر سے مسکرا دیئے تھے۔
اپنی اولاد کی تعریف ہر ماں باپ کے لیے اتنے ہی فخر کا باعث ہوتی ہے۔ کوئی آپ کی اولاد کی تعریف کررہا ہو تو لگتا ہے کہ آپ کی اپنی ہی تعریف ہورہی ہے۔
"بھئی اس بات کا سب سے بڑا گواہ تو میں ہوں۔ سب سے پہلے جب تمہاری بھابھی نے مجھ سے یہ بات کی تو اس وقت سکندر انٹر میں تھا۔ میں نے کہا ابھی اسے کسی قابل تو ہوجانے دو۔ وقت آنے پر طارق سے بات کریں گے۔" انکل نے بابا کو مخاطب کیا تھا۔ وہ نظریں جھکائے ان لوگوں کی باتیں سن رہی تھی۔ بابا نے ان لوگوں کے جانے کے بعد اس سے ایک مرتبہ پھر پوچھا تھا۔
"تم اگر چاہو تو سکندر سے مل لو۔" وہ بغور اسے دیکھتے ہوئے بولے تھے۔
"بابا اس کی ضرورت نہیں۔ آپ مطمئن ہیں تو پھر بس سب ٹھیک ہے۔" وہ سر جھکا کر آہستہ آواز میں بولی تھی۔ وہ کتنی دیر تک اس کا جھکا ہوا سر دیکھتے رہے تھے۔

♥ ♡ ♡ ♥

فنکشن اختتام پذیر ہوچکا تھا۔ قریبی رشتے داروں کے علاوہ تمام لوگ جاچکے تھے۔ مہو اسے کمرے میں چھوڑ گئی تھی۔
"تم کپڑے بدل کر فریش ہولو، میں گرما گرم چائے بنا کر لاتی ہوں۔ بلکہ ایسا کرتی ہوں کہ بابا وغیرہ کو بھی بلا لاتی ہوں۔" وہ تیز تیز بولتی ہوئی کمرے سے نکل گئی تھی۔ اس کے جاتے ہی وہ جلدی جلدی تمام جیولری اتارنے لگی تھی۔ تیار ہونے کے بعد سے اس نے خود کو ایک بار بھی آئینے میں نہیں دیکھا تھا۔ سب نے اس کی بہت تعریفیں کی تھیں مگر وہ خود اپنے ہی سراپے سے نظریں چرا رہی تھی۔ خود کو اس روپ میں کسی اور کے حوالے سے دیکھنا بہت مشکل تھا۔ رگڑ رگڑ کر منہ

دھوتے ہوئے اسے محسوس ہوا کہ نل کے ٹھنڈے پانی کے ساتھ کچھ گرم قطرے بھی اس کے چہرے کو بھگو رہے ہیں۔ مہو کے آنے کے بعد سے تو وہ اپنے کمرے میں بھی محتاط ہو کر رہتی تھی۔ مہو نے واش روم کا دروازہ کھٹکھٹایا تھا۔

"کیا نہانے لگی ہو؟ چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے۔" وہ جلدی سے چہرہ خشک کرتی باہر آگئی تھی۔ کمرے میں بابا، عدیل بھائی، ثوبیہ آنٹی، انکل اور مہو موجود تھے۔ مہو اپنی ہنگامہ پرور فطرت کے عین مطابق نان اسٹاپ بولنے اور سب کو چائے سرو کرنے میں مصروف تھی۔

"مجھے تو سکندر بہت پسند آیا۔ ہماری نہاء کے ساتھ اتنا ہی ڈیسنٹ بندہ سوٹ کر سکتا تھا۔" بابا کے استفسار پر عدیل بھائی بولے تھے۔

"میں نے تو اسلام آباد آنے کی دعوت بھی دے دی۔" ثوبیہ آنٹی نہاء سے مخاطب ہوئی تھیں۔

"میں نے اس سے کہا کہ بھئی ہماری نہاء کو اسلام آباد بہت اچھا لگا تھا۔ شادی کے بعد سب سے پہلے تم دونوں اسلام آباد ہی آنا۔" وہ نہاء کی طرف شرارتی نظروں سے دیکھتے ہوئے بولی تھیں۔

"جی نہیں نہاء سب سے پہلے وہاں آئے گی۔" مہو لڑنے والے انداز میں چلائی تھی۔

"تم دونوں کیوں جھگڑ رہی ہو۔ اس سے پوچھ لو کہ وہ کہاں جانا چاہتی ہے۔" انکل بھی گفتگو میں شریک ہوئے تھے۔ صبح سے اب تک وہ جن کیفیات سے گزری تھی اسے لگ رہا تھا کہ وہ بس اب ہمت ہار دے گی۔ سب فرصت سے بیٹھے اسے ہی دیکھ رہے تھے۔ بابا کی نظریں خود پر بھی دیکھ کر اسے گھبراہٹ ہو رہی تھی۔ وہ بابا سے کس طرح خود کو چھپائے۔

"ارے نہاء اسلام آباد کا ہی نام لے گی۔ وہاں سے چلتے وقت ایئرپورٹ تک پر اس نے مجھ سے یہی کہا تھا کہ آنٹی مجھے آپ کا شہر بہت اچھا لگا ہے۔ یہاں سے جانے کو دل ہی نہیں چاہ رہا۔" ثوبیہ آنٹی کی بات پر وہ بس سی بیٹھی رہ گئی تھی۔ وہ دونوں آپس میں الجھی ہوئی تھیں اور عدیل بھائی اور انکل بھی ان کے جھگڑے کو خوب ہوا دے رہے تھے اور بابا؟ اس نے سر اٹھا کر دیکھا تو نظریں سیدھی ان کی نظروں سے ٹکرائی تھیں۔ منگنی کی تاریخ طے کرنے کے بعد جب بابا نے اس سے پوچھا تھا۔

"نہاء تم خوش ہو نا۔" تو وہ کتنے مطمئن انداز میں انہیں یقین دلا گئی تھی۔

"جی بابا میں خوش ہوں۔"

"تم مجھ سے ناراض تو نہیں؟" انہوں نے مزید پوچھا تھا۔

"آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں بابا۔ بھلا میں آپ سے بھی ناراض ہو سکتی ہوں۔" وہ ان کے گلے میں بانہیں ڈال کر مسکرائی تھی اور اس وقت اسے خود اپنے ہی کہے لفظوں کا بھرم رکھنا مشکل ہو رہا تھا۔

"یا اللہ مجھے استقامت دے۔ بابا نے میری آنکھوں میں آنسو دیکھ لیے تو وہ بری طرح ڈسٹرب ہو جائیں گے۔ میں نے بابا کی بات اس لیے تو نہیں مانی تھی کہ بعد میں اپنی اداس شکل دکھا کر انہیں پریشان کروں۔" وہ اپنے رب سے ثابت قدمی اور استقامت کی دعا مانگ رہی تھی۔ اس کی غیر معمولی خاموشی کو سب شرم پر محمول کر رہے تھے۔ ویسے بھی مہو کے ہوتے ہوئے کسی اور کے بولنے کا موقع ذرا کم ہی آیا کرتا تھا۔

♥ ♡ ♡ ♥

بابر بھائی کے بیٹے کی سالگرہ تھی۔ اپنی منگنی کے بعد وہ آج پہلی مرتبہ ان لوگوں کے گھر آئی تھی۔ سکندر پشاور میں پوسٹڈ تھا۔ منگنی کو تین ماہ گزر جانے کے باوجود ان دونوں کی اب تک آپس میں ایک بار بھی نہ تو کوئی ملاقات ہوئی تھی اور نہ ہی فون پر بات ہوئی تھی۔ احمر انکل کے ہاں پہنچے تو سب نے ہی ان لوگوں کا پرجوش خیر مقدم کیا تھا۔

آنٹی اسے اپنے مختلف ملنے والوں سے متعارف کروا رہی تھیں جب سکندر انہیں آواز دیتا اس طرف آیا۔ اسے آتا دیکھ کر نہ دل کی دھڑکن تیز ہوئی نہ محسوسات میں کوئی تبدیلی آئی۔ وہ اسی طرح خاموش

[illegible] تھی۔ وہ اسے دیکھ کر ہلکا سا مسکرایا تھا۔ [illegible] آنٹی سے بات کرنے لگا تھا۔ ڈنر کے [illegible] ٹیبل پر آیا تھا۔ بابا اپنے دوستوں کے [illegible] تھے۔ اس وقت ٹیبل پر وہ اکیلی بیٹھی [illegible]

[illegible] کی شادی کچھ زیادہ ہی مشرقی طریقے [illegible] رہی؟" وہ اس کے سامنے والی کرسی پر [illegible] تھا۔ وہ اس بات کے جواب میں کیا کہتی سو [illegible]

[illegible] میں آیا تھا تو سوچ رہا تھا کہ ہم [illegible] یا ڈنر کرنے جائیں مگر یہ بات تو یہ [illegible] سے ڈر لگ رہا تھا کہ کہیں وہ مائنڈ نہ [illegible] گہری نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ [illegible] وہیں سے بھاگ جائے۔ [illegible] تم بتاؤ اگر میں انکل سے پرمیشن لوں تو وہ [illegible] نہیں ہوں گے؟" وہ سوالیہ انداز میں پوچھ رہا [illegible]

[illegible] تو نہیں جو آپ ان سے اتنا ڈر رہے [illegible] بول پائی تھی۔ وہ اس کے جواب پر [illegible]

[illegible] اگلی بار جب میں آؤں گا تو کہیں باہر چلیں [illegible] اس بار تو صرف دو دن کے لیے آیا ہوں۔ کل [illegible] گا۔ ویسے بھی مجھے تو اتنی زیادہ ارینجڈ [illegible] اعتراض ہے۔ ہم لوگ ایک دوسرے [illegible] عادتوں اور مشاغل وغیرہ کے بارے میں [illegible] نہیں جانتے۔" وہ افسردہ شکل بنا کر بولا تھا۔ [illegible] اس طرف آتا دیکھ کر اس نے سکون کا سانس لیا [illegible] دیکھتے ہی سکندر نے سنجیدہ اور مودب شکل [illegible] کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے تو وہ غلطی [illegible] اس کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔

[illegible] ہو سکندر مگر یہ دل؟ اس کا میں کیا [illegible] کچھ بھی میرے بس میں نہیں۔ [illegible] اختیار میں تھا میں نے کیا۔ مگر اپنے [illegible] سمجھاؤں۔ وہ کوئی نصیحت، کوئی بات سننے کے لیے تیار نہیں۔"

ان دونوں کی باتوں سے بے نیاز وہ اپنی ہی سوچوں میں الجھی ہوئی تھی۔

"مجھ سے کسی نے کہا تھا کہ محبت وہ ہوتی ہے جب آپ کو کوئی اپنے ہی وجود کا حصہ لگنے لگے۔ جب کوئی دوسرا اپنے ہی وجود میں دھڑکتا اور سانس لیتا محسوس ہو اور جو مجھے میرے وجود کا حصہ لگتا ہے، جو مجھ میں دھڑکتا اور سانس لیتا ہے وہ تم نہیں ہو۔ کیا کروں اس مقام پر میں بے بس ہوں۔"

واپسی میں گھر جاتے ہوئے بھی وہ چپ چاپ بیٹھی ہوئی تھی۔ اچانک اسے احساس ہوا کہ چپ صرف وہی نہیں بلکہ بابا بھی بالکل خاموش ہیں۔ یہاں تک کہ انہوں نے اس سے اس کی خاموشی کی وجہ بھی دریافت نہیں کی تھی۔

"بابا آئس کریم کا موڈ ہو رہا ہے۔" وہ خود کو چیئر اپ کرتے ہوئے مسکرائی تھی ان کے خاموشی سے ایک آئس کریم پارلر کے آگے گاڑی روک لینے پر وہ حیران رہ گئی تھی۔ انہوں نے اپنی عادت کے مطابق کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔ جبکہ وہ اس کے سردیوں میں آئس کریم کھانے پر بہت ناراض ہوتے تھے۔

"آپ نہیں لیں گے؟" صرف اپنے لیے آرڈر ہوتا دیکھ کر وہ بولی تھی۔ جواباً انہوں نے نفی میں سر ہلا دیا تھا۔ وہ ان کے رویے پر الجھ رہی تھی۔

"کیا بابا مجھ سے ناراض ہیں؟ لیکن کس بات پر؟" وہ مسلسل سوچے جا رہی تھی۔ آئس کریم بھی اس نے بے دلی سے کھائی تھی۔ گھر آکر بابا فوراً ہی اپنے کمرے میں چلے گئے تھے۔ وہ خود بھی سونے کے لیے لیٹ گئی تھی۔ بابا کی طرف سے فکر، سکندر اور اپنی آنے والی زندگی کی ٹینشن، وہ بہت مضطرب تھی۔ ایک جھوٹی اور مصلحت آمیز زندگی گزارنے کا خیال مسلسل رلا رہا تھا۔

سونے کی کوشش کرتے ہوئے آنکھیں بند کیں تو روز کی طرح آج پھر وہ خیالوں کی وادی میں چلا آیا تھا۔ اس نے بے اختیار گھبرا کر آنکھیں کھول دی تھیں۔

آج سکندر سے ملنے کے بعد اس کا خیالوں ہی میں سوچا جانا نماء کو بددیانتی محسوس ہو رہا تھا۔ مگر بہت کوشش کے باوجود بھی وہ اس کے تصور سے پیچھا نہیں چھڑا پائی تھی۔

♥ ♡ ♡ ♥

"میرا خیال ہے عید کے بعد وہ لوگ شادی کی تاریخ رکھنے کی بات کرنے والے ہیں۔"

بابا نے میگزین سے نظریں ہٹا کر اسے مخاطب کیا تھا۔ وہ پیپر اور پین لیے بیٹھی تھی۔ اس کا پسندیدہ کوکنگ پروگرام آرہا تھا۔ بابا کے لیے سحری اور افطاری میں نت نئی مزے دار ڈشز بنانے میں اسے بہت مزہ آتا تھا۔ روزہ افطار کرنے کے بعد نماز کے فوراً بعد ہی وہ لوگ کھانا کھالیا کرتے تھے۔ پھر چائے پیتے ہی بابا تراویح کے لیے چلے جاتے اور وہ بھی نماز پڑھنے کھڑی ہو جاتی۔ رمضان کا دوسرا عشرہ ختم ہونے والا تھا۔

"ایسا کرو تم دبا ہو آؤ۔ مہو اور اپنی پھوپھو کے ساتھ مل کر شادی کی شاپنگ شروع تو کرو۔ اچانک اگر ان لوگوں نے شادی کی جلدی مچائی تو اکیلے تیاری کرنا بہت مشکل ہو جائے گا۔" چائے کا سپ لیتے ہوئے انہوں نے کہا تو وہ ٹی وی سے توجہ ہٹا کر ان کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"کہیں جانے کی کیا ضرورت ہے۔ میں شاپنگ یہیں پر کرلوں گی۔"

"نہیں بھئی۔ ایک تو اکیلے تم کر نہیں پاؤ گی۔ پھر مہو کی چوائس بھی اچھی ہے۔" ان کے بولنے کا اسٹائل ایسا تھا جیسے وہ یہ بات پہلے ہی طے کر چکے ہوں اب صرف اسے انفارم کر رہے تھے۔ اس کا ایسا کوئی دل نہیں چاہ رہا تھا مگر یہ سوچ کر چپ ہو گئی کہ بابا ایسا چاہ رہے ہیں۔ وہ سمجھ رہی تھی کہ بابا شاید عید کے بعد اسے بھیجیں گے مگر اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب وہ چوتھے ہی دن ٹکٹ لے آئے۔

"مجھے بھی آفس کے کام سے بنکاک جانا ہے۔ ہفتہ دس دن میں جتنی شاپنگ ہو سکتی ہے کرلینا۔ باقی پھر عید کے بعد دیکھیں گے۔"

"بابا! عید تو ہم ساتھ کریں گے نا؟" اسے فکر لاحق ہوئی تھی۔

"ہاں انشاءاللہ عید ساتھ کریں گے۔" انہوں نے اطمینان دلایا تھا۔

جلدی جلدی تیاری کر کے وہ دبا اور بابا بنکاک روانہ ہوئے تھے۔ چلتے وقت تک وہ انہیں مختلف ہدایتیں دیتی رہی تھی۔

"سحری میں دہی چینا مت بھولیے گا" خدا حافظ کہتے ہوئے وہ بولی تھی۔

"بیٹا تم بے فکر رہو۔ میں بالکل اچھی طرح اپنا خیال رکھوں گا۔ بس تم ایسی شاپنگ کرلینا جو میری بیٹی کے شایانِ شان ہو ـــــ کنجوسی دکھانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ جو چیز اچھی لگے خرید لینا۔" وہ اسے پیار کرتے ہوئے پر شفقت لہجے میں بولے تھے۔

♥ ♡ ♡ ♥

"ہیلو" فون کی بیل پر اس نے ریسیور اٹھایا تھا۔ دوسری طرف سے ایک نامانوس آواز سنائی دی تھی۔

"ہیلو۔ میں حارث اقبال بات کر رہا ہوں۔"

"اوہ آپ!" وہ فوراً ہی پہچان گیا تھا۔

"میں یہاں ایئرپورٹ سے بول رہا ہوں۔ آپ کا ایڈریس تو ہے میرے پاس لیکن چونکہ مجھے یہاں کے راستوں کا بالکل کوئی آئیڈیا نہیں اس لیے اگر آپ تھوڑا بہت گائیڈ کر دیں تو" وہ ان کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی بول پڑا تھا۔

"آپ وہیں ٹھہریں میں آتا ہوں۔"

"لیکن آپ مجھے ـــــ" ان کا جملہ پھر ادھورا رہ گیا تھا۔

"بے فکر رہیں میں آپ کو پہچان لوں گا۔ آپ بس وہیں رک کر میرا انتظار کریں۔" وہ سلسلہ منقطع کر چکا تھا۔

اپنی طرف آتے اس دراز قامت، وجیہہ بندے کو انہوں نے چونک کر غور سے دیکھا تھا۔ وہ دور سے ہی انہیں کی طرف دیکھتا ہوا آرہا تھا۔

"میں اوزان واسف ہوں۔" اپنا ہاتھ بڑھاتے ہوئے وہ سنجیدہ لہجے میں بولا

"السلام علیکم" جواب میں انہوں نے بھی اپنا ہاتھ بڑھایا تھا۔

"انہیں ساتھ آنے کے لیے کہتا ٹرالی لے کر خود چلانے لگا تھا۔ انہیں اس کے مطمئن انداز پر حیرت ہوئی تھی۔ وہ اس طرح آئے وہ باقاعدہ اسے بتا کر آئے تھے اور وہ ان کی آمد کے لیے تیار بیٹھا تھا۔ دونوں ساتھ ساتھ چلتے گاڑی تک پہنچے تھے۔

رکھیے۔" گاڑی کا دروازہ ان کے لیے کھول کر سوٹ کیس ڈگی میں رکھنے لگا تھا۔ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا تو وہ اطراف سے نظریں ہٹا کر دوبارہ اس کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔

انتظار کرنا پڑا ہو گا۔ اصل میں میرا گھر ایئرپورٹ سے کافی دور ہے۔" کچھ دیر کی خاموشی کے بعد وہ بولا تھا۔

کوئی بات نہیں۔ اصل میں میں ترکی زندگی میں پہلی بار آیا ہوں اور پہلی مرتبہ بھی آج سے کم و بیش سال پہلے آیا ہوں گا۔ اس لیے یہاں کے راستوں سے عدم واقفیت کی بنا پر اکیلے ایئرپورٹ سے دشواری کا سامنا تھا۔ ورنہ میں آپ کو زحمت نہ دیتا۔" وہ پُرتکلف انداز میں بولے تھے۔ بقیہ تمام راستہ خاموشی سے کٹا تھا۔ گاڑی گیٹ سے اندر لا کر اس نے انہیں اترنے کا کہہ کر وہ خود بھی اتر گیا اس سے ایک قدم پیچھے چلتے ہوئے اس گھر کا جائزہ لے رہے تھے بڑا سا کشادہ اور قیمتی سامان سے آراستہ وہ مکان مکمل سناٹے میں ڈوبا ہوا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے یہاں کوئی رہتا ہی نہیں۔ وہ انہیں لیے ایک کمرے میں آگیا تھا۔

"آپ یقیناً سفر کی تھکن اتارنا چاہتے ہوں گے۔ ساتھ ہی واش روم ہے آپ فریش ہو لیں۔ ویسے آپ نے کھانا تو کھا لیا ہے ناں؟" وہ آداب میزبانی نبھاتا ہوا پوچھ رہا تھا۔

"ہاں روزہ جہاز میں ہی افطار کیا تھا۔" وہ اپنی نظریں اس پر مسلسل جمائے ہوئے تھے۔

"چائے تو پئیں گے نا آپ؟" اس نے مزید پوچھا تھا۔ ان کے سر ہلا دینے پر وہ فوراً ہی کمرے سے نکل گیا تھا۔ وہ کمرہ غالباً گیسٹ روم کے طور پر ہی استعمال ہوتا تھا۔ وہ منہ ہاتھ دھو کر نکلے تو ان کا سوٹ کیس بھی کمرے میں پہنچ چکا تھا۔ وہ بیڈ پر بیٹھے سامنے دیوار پر خوبصورت فریم میں لگی آیت الکرسی کو دیکھ رہے تھے جب دروازہ ناک ہوا تھا۔ آگے آگے وہ خود اور پیچھے ٹرے اٹھائے ملازم اندر آیا تھا۔ ٹرے اس کے ہاتھ سے لے کر سائیڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے اس نے ترکی زبان میں غالباً ملازم سے یہ کہا تھا کہ چائے وہ خود بنا لے گا۔ اس کے جاتے ہی وہ چائے کپوں میں ڈالنے لگا تھا۔

"آپ چینی کتنی لیں گے؟" وہ بیڈ کے سامنے رکھی کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔

"ایک چمچہ" انہوں نے جواب دیا تو وہ شکر ملا کر کپ ان کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔

"یہ اخروٹ ضرور ٹرائی کیجیے گا میرا دوست ایران سے لایا تھا بہت مزے کے ہیں۔" چائے کا کپ انہیں دے کر اس نے ڈرائی فروٹس کی بڑی سی پلیٹ جس کے مختلف خانوں میں اخروٹ، کاجو، نمکین پستے اور بادام رکھے ہوئے تھے ان کی طرف بڑھائی۔ وہ مہمان نوازی کا مظاہرہ کرتے اس شخص کو تحیر سے دیکھ رہے تھے۔

سال بھر پہلے اسی شخص سے وہ لگاتار تین روز تک اپنے دفتر میں ملنے سے انکاری رہے تھے۔ پہلے روز ریسپشنسٹ کی زبانی اوزان واسف نامی شخص کی آمد اور ساتھ ہی وزیٹنگ کارڈ دیکھ کر انہوں نے بغیر ایک لمحے کی دیر لگائے اس سے نہ ملنے کا فیصلہ کیا تھا۔ وہ اس شخص سے نہیں ملنا چاہتے تھے۔ اپنے میٹنگ میں مصروف ہونے کا کہلوا کر انہوں نے اس سے ملنے سے معذرت کہلوا دی تھی۔ ان کا خیال تھا کہ وہ اتنا سمجھ

وار تو ہو گا ہی کہ ان کے گریز کو سمجھ کر دوبارہ وہاں نہ آئے۔ مگر ان کی یہ خام خیالی اگلے روز غلط ثابت ہو گئی تھی۔ آج انہوں نے صاف صاف لفظوں میں ملنے سے منع کر دیا تھا۔ انہیں اس شخص کی ڈھٹائی پر حد درجہ غصہ آیا تھا۔ یہ ان دنوں کی بات تھی جب نماء اسلام آباد سے آئی تھی اور وہ اسے منع کرنے کے بعد خود بھی بے حد ڈسٹرب تھے۔ تیسرے روز اس کی آمد انہیں اچھے خاصے اشتعال میں مبتلا کر گئی تھی۔

"جب میں نے کل کہہ دیا تھا کہ مجھے اس شخص سے بالکل بھی نہیں ملنا تو پھر میرے پاس اس کی آمد کا پیغام لانے کی کیا ضرورت ہے۔" وہ سیکریٹری پر چلائے تھے۔

"سر! میں نے ان سے یہی کہا تھا لیکن وہ جواب میں کہنے لگے کہ آج وہ آپ سے ملنے نہیں بلکہ آپ کو یہ لفافہ دینے آئے ہیں۔ پھر وہ یہ لفافہ پکڑا کر فوراً چلے گئے۔" سیکریٹری کی منمناتی آواز سن کر انہوں نے اپنے غصے کو دباتے ہوئے لفافہ اس کے ہاتھ سے لے لیا تھا۔ کتنی دیر تک لفافہ ہاتھ میں لیے رہنے کے بعد انہوں نے اسے کھول کر دیکھنے کا فیصلہ کیا تھا۔

"سر! میں نے آپ سے ملنے کی بہت کوشش کی مگر شاید خدا کو ہمارا ملنا فی الحال منظور نہیں۔ میں نے اپنا ٹرانسفر واپس استنبول کروا لیا ہے۔ پتا نہیں کیوں مجھے ایسا لگتا ہے کہ ابھی ہمیں زندگی میں ایک بار ضرور ملنا ہے۔ اپنے اس یقین کی وجہ میں نہیں جانتا مگر مجھے لگتا ہے کہ ہم ملیں گے ضرور۔

اپنے اسی یقین کے سہارے میں آپ تک اپنا استنبول کا ایڈریس اور فون نمبرز پہنچانا چاہتا تھا۔ آج دس سال بعد بھی میں آپ کا انتظار کروں گا۔ اوزان واسف۔"

خط پڑھ کر باوجود شدید غصے کے وہ اسے پھاڑ کر ڈسٹ بن میں نہیں ڈال سکے تھے۔ خط کو واپس لفافہ میں ڈال کر انہوں نے اپنی دراز میں رکھ دیا تھا۔ اپنے ایسا کرنے کی وجہ خود ان کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ جس شخص سے وہ نہ آج نہ کبھی ملنا ہی نہیں چاہتے تھے اس کا پتا سنبھال کر رکھنے کی بھلا کیا ضرورت تھی؟ وہ جانتے نہ تھے کہ ایک سال بعد وہ خود اپنے ہی فیصلے کی نفی کرتے خود کو اس سے ملنے پر مجبور پائیں گے۔ اور ایسا کرنے پر نہ انہیں نماء نے مجبور کیا تھا نہ اوزان نے نہ ہی کسی اور نے بلکہ خود ان کے اپنے دل نے۔

"آپ کو یہ یقین کیوں تھا اوزان کہ میں آپ سے ملنے ضرور آؤں گا۔؟" وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بالآخر اس بات کی طرف آ گئے تھے جو وہ شاید خود بھی ان سے سننا چاہتا تھا۔ ان کے سوال پر وہ چائے کا کپ واپس ٹرے میں رکھتا ہوا بڑی سنجیدگی سے بولا۔

"نماء نے مجھے بتایا تھا کہ اس کے بابا اسے بہت پیار کرتے ہیں اور جن سے ہم بہت پیار کرتے ہوں انہیں ہمیشہ خوش دیکھنا چاہتے ہیں۔" وہ اس کے پراعتماد انداز پر ٹھٹک کر اس کی طرف دیکھنے لگے تھے۔ وہ نہ گھبرایا ہوا لگ رہا تھا نہ نروس۔ بے تحاشا ذہین آنکھیں اعتماد لیے ہوئے تھیں۔

"آپ کو یقین کیونکر ہے کہ خوشیوں کا دارومدار آپ کے ساتھ ہونے پر ہے۔ ہو سکتا ہے ایسا نہ ہو۔ اگر میں آپ سے کہوں کہ وہ آپ کے بغیر بھی بہت خوش ہے تو؟" وہ بڑی سنجیدگی سے دریافت کر رہے تھے۔ انداز اسے جھٹلانے والا تھا

"اس لیے کہ اس نے مجھ سے کہا تھا کہ اسے ساری دنیا میں سب سے زیادہ پیار اپنے بابا سے ہے اور بابا سے ذرا کم مگر جو اسے بہت اچھا لگتا ہے وہ میں ہوں۔ اور جو لوگ ہمیں بہت اچھے لگتے ہوں ہم خوش بھی انہیں کے ساتھ رہتے ہیں۔" وہ بغیر کسی ہچکچاہٹ کے صاف گوئی سے بولا تھا لہجہ بہت شائستہ اور باادب ہونے کے ساتھ ساتھ اعتماد سے بھرپور تھا۔

"اور اس بات کی کیا گارنٹی ہے کہ آپ اسے ہمیشہ خوش رکھیں گے؟" وہ اپنے مخصوص دوٹوک انداز میں مخاطب ہوئے تھے۔

"میں اپنی بیٹی سے بہت محبت کرتا ہوں اور ہر باپ

[illegible] خواہش ہے کہ اس کا مستقبل بہت [illegible] بہتر ہو۔ کیا آپ مجھے ایسی کوئی [illegible]؟" ان کا انداز ایسا تھا جیسے وہ کسی [illegible] کے لیے ایک امیدوار کا تفصیلی انٹرویو [illegible]

"[illegible] کی گارنٹی کیا؟" وہ سنجیدہ سی ہنسی [illegible]

"[illegible] گارنٹی کی ہے تو سر! گارنٹی تو میں اس [illegible] نہیں دے سکتا کہ میں اگلا سانس لوں گا [illegible] میں اتنا بے اختیار ہوں کہ خود اپنی [illegible] نہیں پتا تو میں ایسی کوئی گارنٹی کس [illegible] ہوں۔ اگر ہم ہر کام کرنے سے پہلے [illegible] لیں تو دنیا کے آدھے سے زیادہ [illegible] جائیں گے۔ اکثر اوقات ہمیں بہت سے [illegible] صرف اپنے تجربات کی روشنی میں [illegible] کے ساتھ کرنے پڑتے ہیں۔ [illegible] صحیح ثابت ہوتے ہیں اور کبھی بہت سوچ [illegible] جانے والے فیصلے بھی غلط ثابت ہو جاتے [illegible]" وہ بلا گھبرائے تفصیلی جواب دے رہا تھا۔ [illegible] دل ہی دل میں اس کے اعتماد اور صاف گوئی [illegible] وہ براہ راست ان کی آنکھوں میں دیکھے [illegible] انداز میں بات کر رہا تھا۔ مگر نظریں [illegible] بات کرنے میں صرف اور صرف ادب تھوڑا [illegible] اسے کوئی پریشانی نہیں تھی۔ جب کہ وہ [illegible] اس پر نظریں جمائے اس کے ایک ایک [illegible] رہے تھے۔

"[illegible] اس کی منگنی کر چکا ہوں۔ اور وہ بھی اس کی [illegible] سے۔ وہ اس منگنی پر خوش ہے۔ شاید وہ [illegible] اس کی شادی بھی کر دوں۔" اپنے طور پر [illegible] اسے چونکانے کی کوشش کی تھی۔ مگر وہ اسی [illegible] سر جھکائے بیٹھا رہا تھا۔

"[illegible] ہونے والا داماد بہت پڑھا لکھا، ہینڈسم اور [illegible] اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ میں اسے [illegible] فیملی کو ایک طویل عرصے سے جانتا ہوں۔ اس کے اندر اتنی ساری خوبیوں کے ہوتے ہوئے بھی میں آپ کو اس پر ترجیح کیوں دوں؟ کیا آپ اپنے حق میں کوئی ایسی بات بتا سکتے ہیں جو آپ کے خیال سے آپ کو اس سے ممتاز کرتی ہو۔ جس کی بنیاد پر میں آپ کو اس کے مقابلے میں ترجیح دے سکوں۔"

بھرپور بارعب اور بے پناہ سنجیدہ لہجہ تھا۔

"نہیں میں ایسی کوئی بات نہیں بتا سکتا۔ اس لیے کہ میں نہ پاکستانی ہوں نہ آپ میری فیملی کو جانتے ہیں اور میرا مسلمان ہونا بھی آپ کی نظروں میں مشکوک ہے۔ اور صرف ایک واحد بات جسے میں اپنے حق میں سمجھتا ہوں اس پر شاید آپ یقین نہ کریں۔ کیونکہ آپ کی خواہش کے مطابق میں اپنی اس بات کا کوئی ثبوت پیش نہیں کر سکوں گا اور اگر پیش کرنے کی کوشش کروں تو شاید آپ اسے تسلیم نہ کریں۔" وہ بہت دیر بعد جھکا ہوا سر اٹھا کر آہستہ آواز میں بولا تھا۔

"آپ کے یہ تمام اعتراضات مجھے نماء نے نہیں بتائے۔ اسلام آباد سے آنے کے بعد میرا اس سے کبھی کوئی رابطہ نہیں ہوا۔ آخری بار اس نے مجھے ای میل کر کے آپ کے انکار کا بتایا تھا اور اس میں بھی کوئی وجہ نہیں لکھی تھی۔ مگر میں نے پاکستانی کلچر بہت قریب سے دیکھا ہے۔ میری ممی خود پاکستانی تھیں مجھے اندازہ ہے کہ آپ کو میرے بارے میں یہی اعتراضات ہوئے ہوں گے۔" وہ اس کی ذہانت کے معترف ہو گئے تھے ان کے چہرے پر لکھی حیرت وہ فوراً بھانپ گیا تھا اور اسی لیے خود ہی جواب بھی دے دیا تھا۔

"بالکل درست مجھے یہی اعتراضات تھے۔" وہ اتنی دیر میں پہلی بار ذرا سا مسکرائے تھے۔

"لیکن وہ کون سی بات ہے جسے آپ اپنے حق میں سمجھتے ہیں لیکن میری خواہش کے مطابق اس کا کوئی ثبوت دینے سے قاصر ہیں۔" ان کے سوال پر وہ بے ساختہ بولا تھا۔

"کیا آپ میری بات کا یقین کر لیں گے۔؟"

"یہ سوال قبل از وقت ہے۔ آپ بات بتائیں میں

یقین کروں گا یا نہیں اسے رہنے دیں۔" وہ ذرا سا ریلیکس ہو کر ہنستے ہوئے بولے تھے۔
"محبت۔" وہ گہرے لہجے میں بولا تھا۔
"محبت ہی وہ بات ہے جو مجھے اپنا سب سے بڑا ہتھیار اور اپنے حق میں سب سے بڑا پلس پوائنٹ محسوس ہوتی ہے۔ وہ جو کوئی بھی ہے اتنی ساری خوبیوں کے باوجود بھی کم از کم محبت کے معاملے میں مجھ سے نہیں جیت سکتا۔ پورا ایک سال ہو گیا میں اس سے نہیں ملا اس کی آواز نہیں سنی۔ آنے والے وقت میں بھی ایسی کوئی امید نظر نہیں آتی مگر پھر بھی میں نے ہر لمحہ ہر پل اس محبت کو اپنے دل میں پہلے سے بھی زیادہ شدید پایا ہے۔ اتنا شدید کہ مجھے اپنے گھر کی ویرانی بری نہیں لگتی۔ میں نے اس سے ملنے کے بعد پھر کبھی ایک لمحے کے لیے بھی کسی اور کے بارے میں نہیں سوچا آپ کو شاید میری یہ بات اچھی نہ لگے اور شاید جھوٹی بھی مگر میں نے بارہا اپنے گھر میں تنہا بیٹھے اس کی موجودگی محسوس کی ہے۔ اسے اپنے آس پاس چلتا پھرتا اور ہنستے سنا ہے۔"
وہ بہت ہی آہستہ آواز میں کچھ سوچتا ہوا بول رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ اس وقت بھی خود کو کسی ایسی ہی کیفیت سے گزرتا پا رہا ہو۔ وہ بہت دیر تک اسے ایک ٹک دیکھتے رہے تھے۔ پھر ایک گہری سانس لیتے ہوئے اس سے بولے۔
"ویسے تو میں نے ہوٹل میں اپنے لیے روم بک کروایا ہوا ہے۔ مگر اب چونکہ رات بہت ہو گئی ہے تو میرا خیال ہے آج رات میں یہیں ٹھہر جاؤں۔ اگر آپ کو کوئی اعتراض نہ ہو تو؟" وہ کسی خیال سے چونک کر ان کی بات سننے لگا تھا۔ ان کا جملہ مکمل ہوتے ہی وہ ایک دم گڑبڑا کر بولا تھا۔
"کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ، آپ میرے لیے بہت قابل احترام مہمان ہیں۔"
"میرا خیال ہے رات بہت ہو گئی ہے۔ صبح سحری کے لیے بھی اٹھنا ہو گا۔" وہ جواب میں جمائی روکتے ہوئے بولے تھے۔ انٹرویو ختم ہو چکا تھا اب امیدوار کو جانے کے لیے کہا جا رہا تھا۔ جس طرح ایک انٹرویو دینے والا اپنے انٹرویور کے چہرے پر اپنے بارے میں آخری تاثرات جانچنا چاہتا ہے ایسے ہی اس نے بھی ایک نظر انہیں بغور دیکھا تھا۔
"آپ یقیناً بہت تھکے ہوئے ہوں گے۔ آرام سے سو جائیں۔ سحری میں میں آپ کو جگا دوں گا۔" وہ انہیں شب بخیر کہتا کمرے سے نکل گیا تھا۔
نیند تو خیر انہیں کیا آنی تھی۔ بستر پر لیٹے وہ کبھی نماء اور کبھی اوزان ہی کو سوچے جا رہے تھے۔
"بابا وہ بہت اچھا ہے۔ بالکل آپ کی طرح۔ آپ اس سے ملیں گے تو آپ کو یقین آ جائے گا کہ میں نے اس کے بارے میں جو کچھ بھی کہا ہے وہ اس سے بھی بڑھ کر اچھا ہے۔" نماء کی پرجوش سی آواز سماعتوں میں رس گھول رہی تھی۔
"ہاں میری جان تم ٹھیک تھیں اور میں غلط۔ وہ واقعی بہت اچھا ہے۔ ہر لحاظ سے میری بیٹی کے لائق ہے۔" وہ اپنی چہیتی بیٹی کو تصور میں مخاطب کیے بیٹھے تھے۔
"ہم اپنی اولاد کو سب کچھ دیتے ہیں۔ ان کی ہر خواہش پوری کرتے ہیں۔ بچپن کی چھوٹی چھوٹی چیزوں سے لے بڑے ہو کر تعلیم تک کے معاملے میں انہیں پوری آزادی دیتے ہیں۔ وہ جو پروفیشن چاہے اختیار کریں، جہاں چاہے جاب کریں۔ دوسروں کے سامنے فخر سے بتاتے ہیں کہ ہمارے گھر میں بچوں پر کوئی روک ٹوک نہیں۔ انہیں ہر طرح کی آزادی حاصل ہے۔ پھر جب ہمارے بچے اس آزادی کے عادی ہو جاتے ہیں انہیں اپنے فیصلے خود کرنے کی عادت ہو جاتی ہے۔ وہ خود اپنا اچھا برا سوچنے کے قابل ہو جاتے ہیں تو ان کی زندگی کے سب سے اہم فیصلے کے وقت اچانک ہی ہم ان سے تمام اختیارات اور آزادیاں واپس لے لیتے ہیں اور جو ہماری اولاد ایسا کرنے سے انکار کر دے تو اس پر خودسری اور نافرمانی کا الزام لگانے میں دیر نہیں کرتے۔"
وہ تکیے پر سر رکھ کر لیٹے ہوئے چھت کی طرف

[illegible] سامنے خود اپنا محاسبہ کر رہے تھے۔
[illegible] سا مختلف ہوں۔ میں نے اپنی بیٹیوں [illegible] انہیں اچھائی برائی کا فرق سمجھایا [illegible] کا ڈھنگ سمجھایا اور جب میری بیٹی [illegible] کے بارے میں خود کچھ سوچنا چاہا تو بغیر [illegible] ہی فوراً انکار کر دیا۔ مطلق العنانی [illegible] اور کیا ہوتی ہے؟ کیا مجھے اپنی بیٹی پر [illegible] تھا؟ یا اپنی تربیت میں کوئی کمی محسوس ہو [illegible] کیا میری بیٹی کسی غلط شخص کے بارے میں [illegible] تھی اور فرض کیا کہ اس نے کسی غلط آدمی کو [illegible] تھا تب بھی کیا مجھے یوں بغیر ملے بغیر دیکھے صاف [illegible] ہیے تھا۔ اتنا حق تو مجھے اپنی بیٹی کو دینا [illegible] کہ اس کے پسند کردہ بندے سے مل لوں۔ [illegible] مجھے نہ اچھا لگتا اور میں انکار کر دیتا اور اگر [illegible] اس وقت اچھا نہ لگتا اور میں نماء سے کہتا [illegible] نماء یہ شخص مجھے اچھا نہیں لگا۔" تو کیا وہ [illegible] نہیں وہ ایسا کبھی بھی نہیں کرتی۔ میری [illegible] نے بچپن تک میں کبھی مجھ سے کوئی ضد [illegible] اب کیسے کر سکتی تھی۔ وہ بیٹی جسے میں پیار [illegible] "نماء یہ ڈول ہم آج نہیں لیں گے پھر [illegible] لے لیں گے۔" تو وہ بغیر روٹھے فوراً "مان [illegible] کیا میری وہ فرمانبردار بیٹی آج میری بات [illegible] کر کے روٹھ سکتی تھی۔
[illegible] ہوئے ان کی آنکھیں جھلملانے لگی

[illegible] میری جان، میری پیاری بیٹی! ایک بیٹی ہونے [illegible] نے مجھے کسی مقام پر مایوس نہیں [illegible] ہونے کی حیثیت سے میں نے [illegible] کیا ہے۔ جب ہم کسی پر حق رکھتے [illegible] ہی ساتھ کچھ فرائض بھی تو ہم پر عائد [illegible] تم میری خوشیوں کے لیے ہونٹوں پر [illegible] سجائے پھر رہی تھیں اپنے اشک چھپ[illegible] تھیں اور میں اس سے بے خبر تو نہیں [illegible] اس طرف سے نگاہیں پھیرے ہوئے تھا۔ تم نے دل میں کیا سوچا ہو گا کہ میرے بابا کتنے ظالم ہیں۔ مگر نہیں تم اپنے دل میں بھی میرے خلاف کوئی خیال نہیں لائی ہو گی۔ میری خاطر چپ چاپ خود کو قربان کر رہی تھیں اور میں خاموش کھڑا سب دیکھے جا رہا تھا۔ مگر میری جان تمہارے آنکھ سے بہنے والا ہر آنسو میرے دل پر گر رہا تھا۔ میں تمہیں تمہاری سب خوشیاں لوٹا دوں گا نماء اور اگر ایسا نہ کر سکا تو خود کو بھی معاف نہیں کروں گا۔ اب میری بیٹی کے لبوں پر کبھی جھوٹی مسکان نہیں سجے گی۔ وہ اپنے دل کی پوری آمادگی کے ساتھ مسکراہٹیں بکھیرے گی۔ ایسی مسکراہٹ جس میں اس کی آنکھیں اس کی ہنسی کا ساتھ دے رہی ہوں گی۔"
اپنی آنکھوں سے گرنے والے اشکوں کو آہستگی سے خشک کرتے ہوئے وہ تہجد کی نماز کے لیے اٹھ گئے تھے۔ وہ دعا مانگنے میں مشغول تھے جب اوزان نے دروازے پر دستک دی تھی۔ اسے جواب دے کر جائے نماز تہہ کر کے وہ کھڑے ہو گئے تھے۔ وہ کمرے کا دروازہ نیم وا کیے کھڑا ہوا ان کا انتظار کر رہا تھا۔
"لگتا ہے آپ رات سوئے نہیں؟" انہیں ڈائننگ روم میں لے کر آتے ہوئے اس نے تشویش سے پوچھا تھا۔
"ہاں بس نیند نہیں آئی۔" وہ اس کے تشویش بھرے انداز پر مبہم سا مسکرائے تھے۔
"آپ سحری میں کیا لیں گے؟ رات کو مجھے پوچھنا یاد ہی نہیں رہا۔" ملازم کو ٹیبل پر لوازمات رکھتے دیکھ کر وہ کچھ شرمندگی سے بولا تھا۔
"میری ایسی کوئی خاص ڈش نہیں ہوتی سحری میں جو کچھ بھی ہے مناسب ہے۔" وہ اسے اطمینان دلاتے ہوئے بولے تھے۔ گردن ہلاتے ہوئے اس نے ان کے آگے پلیٹ رکھی تھی۔ تھوڑی دیر بعد وہ انہیں مختلف ڈشز پیش کر رہا تھا۔
"اچھا آپ تھوڑا سا دودھ ہی لے لیں۔" انہیں بہت جلدی ہاتھ روکتا دیکھ کر وہ اپنائیت سے بولا تھا۔ اس کے کہتے ہی انہیں نماء کی نصیحت بھی یاد آ گئی تھی

اس لیے فوراً ہی دودھ کے لیے ہامی بھر گئے تھے۔ سحری کے بعد وہ دونوں ساتھ ہی نماز پڑھنے گئے تھے۔ نماز پڑھ کر واپس آئے تو وہ گاڑی سے اترتا ہوا ان سے بولا۔

"آپ مجھے بہت تھکے ہوئے لگ رہے ہیں۔ تھوڑی دیر ضرور سو جائیں۔" جواب میں انہوں نے یوں گردن ہلائی تھی جیسے خود بھی یہی سوچے ہوئے تھے۔ کمرے میں آکر لیٹے تو واقعی نیند آگئی تھی۔ وہ بہت گہری نیند سوئے تھے۔ آنکھ کھلی تو گھڑی دوپہر کے بارہ بجا رہی تھی۔ منہ ہاتھ دھو کر باہر نکلے تو ملازم جیسے انہیں کے انتظار میں کھڑا تھا۔ ان کے ہاتھ میں ایک رقعہ پکڑا کر وہ خاموش کھڑا تھا۔

"آفس میں ایک ضروری کام ہے۔ تھوڑی دیر میں آجاؤں گا۔" مختصر سی تحریر تھی۔ ملازم سے اخبار مانگنے کا ارادہ رکھتے تھے مگر اسے انگریزی نہیں آتی تھی اور وہ ترکی زبان سے نا آشنا۔ چاروناچار خاموشی سے باہر لان میں آکر بیٹھ گئے تھے۔ سردیوں کی دھوپ بہت بھلی معلوم ہو رہی تھی۔ کچھ ہی دیر میں وہ خود ہی ان کے لیے اخبار لے آیا تھا۔ اخبار پڑھ کر اندر آئے تو وہ ان کا کمرہ صاف ستھرا کیے اب استری کرنے کے لیے کپڑے مانگ رہا تھا۔ غالباً وہ اسے سب کچھ بریف کر کے گیا تھا۔

ڈھائی بجے وہ واپس آیا تو سیدھا انہیں کے کمرے میں آگیا تھا۔

"سوری میں آج جا تا نہیں۔ لیکن ایک ارجنٹ کام پڑ گیا تھا۔" وہ معذرت خواہانہ لہجے میں بولا تھا۔

"آپ بور تو نہیں ہوئے۔" اس نے مزید دریافت کیا تھا۔ اب کی بار وہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑے تھے۔ وہ ان کے قہقہے کو تعجب سے دیکھ رہا تھا۔

"تم سے مل کر تو مجھے ایسا لگنے لگا ہے جیسے میں کوئی چھوٹا سا بچہ ہوں۔" وہ بے تکلفانہ انداز میں ہنستے ہوئے بولے تھے۔ اس نے کچھ جھینپ کر نظریں جھکائی تھیں۔

"مجھے تم اچھے لگے ہو اوزان۔" وہ اچانک بے اختیار ہو کر بول پڑے تھے۔

"مجھے بھی آپ بہت اچھے لگے ہیں اور یہ اعتراف میں اپنی تعریف کے جواب میں نہیں کر رہا بلکہ رات ہی آپ سے یہ بات کہنا چاہتا تھا مگر سچی بات تو یہ کہ میری ہمت نہیں ہو رہی تھی۔" وہ بڑی سچائی سے بولا تھا۔

"اچھا تو رات، تم مجھ سے ڈر رہے تھے۔" وہ مسکرائے تھے۔

"ڈر تو نہیں رہا تھا لیکن ایک جھجک سی محسوس ہو رہی تھی کہ پتا نہیں آپ کیا سوچیں۔ اصل میں نہاء نے مجھے آپ کے بارے میں اتنی ساری باتیں بتائی تھیں کہ ملے بغیر ہی میں آپ کی بہت سی عادتیں جان گیا تھا۔ ملے بغیر ہی آپ مجھے اچھے لگنے لگے تھے۔" وہ ان کے پاس ہی بیڈ پر بیٹھ گیا تھا۔

"تم نے ابھی تک ایک بار بھی نہاء کی خیریت نہیں پوچھی؟" وہ اس کی طرف بغور دیکھتے ہوئے بولے تھے۔

"یا یہ پوچھتے ہوئے بھی تمہیں ڈر لگ رہا ہے۔" وہ اپنی بات کے اختتام پر کھل کر مسکرائے تھے۔

"ہاں یہ پوچھتے ہوئے تو میں واقعی ڈر رہا ہوں۔ آپ میرے پوچھے بغیر ہی بتا دیں۔" وہ پہلی بار ان سے بے تکلفانہ انداز میں ہنس کر بولا تھا۔

"وہ دوہا گئی ہوئی ہے اپنی بہن کے پاس۔ اسے میرے یہاں آنے کا پتا نہیں۔ میں اس سے آفس کے کام سے بنکاک جانے کا جھوٹ بول کر یہاں آیا ہوں۔" وہ اسے تفصیل سے بتا رہے تھے۔

♥ ♡ ♡ ♥

وہ ایک ہفتہ دوہا رہ کر واپس آئی تو بابا پہلے ہی سے موجود تھے۔

"کل ہی واپس آیا ہوں میں اور تمہارے بغیر بھی سحری اور افطاری میں کوئی پرابلم نہیں ہوا۔" وہ اس کے ناراضی بھرے انداز کے جواب میں اطمینان سے بولے تھے۔

"بابا! گھر میں کیا کوئی مہمان آیا تھا۔" وہ کچن کی [illegible]

[illegible] وہ ڈھیر سارے برتن دیکھتے [illegible] تھی۔

[illegible] نہیں بس آفس کے ایک دو لوگ [illegible] اس کی شاپنگ دیکھتے ہوئے عام سے [illegible] اپنے کمرے میں آئی تو بھی [illegible] کے علاوہ بھی کوئی آیا تھا۔ بیڈ کی [illegible] سرخ گلاب دیکھ کر تو وہ حیران ہی رہ [illegible]

[illegible] پھول آپ نے رکھے ہیں؟" [illegible] آئی تھی۔

[illegible] کمرے میں پھول رکھنے کی کیا [illegible]" مذاق اڑانے والے انداز میں [illegible]

[illegible] کہاں سے آئے؟"

[illegible] میں تو صبح سے تمہارے کمرے میں [illegible]" وہ لاپروائی سے بولے تھے۔ وہ [illegible] کر الجھتی رہی تھی۔ کبھی کسی دوست [illegible] کبھی یہ سوچتی کہ شاید بابا میرے [illegible] رہے ہیں۔ مگر رات جب وہ سونے کے [illegible] رکھے وہ سرخ گلاب اپنے ہاتھ میں لیتے [illegible] ایک عجیب سا احساس ہوا تھا۔ کوئی مانوس [illegible] محسوس ہو رہی تھی۔ وہ اپنی سوچوں اور [illegible] سے گھبرا کر اٹھ بیٹھی تھی۔

[illegible] اس طرح ہو سکتا ہے؟" اس نے خود کو [illegible] تھا۔

♥ ♡ ♡ ♥

"[illegible] ذرا جلدی سے ڈرائنگ روم میں آؤ۔" بابا [illegible] سے ہی مخاطب کرتے ہوئے کچن میں داخل [illegible] تھے۔

"اس وقت کون آگیا۔ میرے شاہی ٹکڑے [illegible] جائیں گے۔" چاند رات کو عید کے پکوان [illegible] ہمیشہ ہی بے حد مصروف ہوا کرتی تھی اور [illegible] کسی مہمان کی آمد اسے سخت ناگوار گزری [illegible]

"چھوڑو اسے، کچھ نہیں ہو رہا تمہارے شاہی ٹکڑوں کو ذرا اچل کر دیکھو تو سہی کہ کون آیا ہے۔" بابا چہکتی ہوئی آواز میں بول رہے تھے۔ اس نے غور کیا کہ بابا آج بے تحاشا خوش نظر آ رہے ہیں۔ وہ اس کی سوچوں سے بے نیاز اسے ہاتھ پکڑ کر کھینچتے ہوئے ڈرائنگ روم کی طرف لے آئے تھے۔

"کیا تم بوجھ سکتی ہو کہ اندر کون موجود ہے؟" ڈرائنگ روم کے بند دروازے کے سامنے کھڑے ہو کر وہ اس سے کسوٹی کھیلنے لگے تھے۔ وہ ہکا بکا ان کی شکل دیکھ رہی تھی۔ ان کے انداز میں بچوں کی سی شرارت اور شوخی تھی۔

"تمہاری آسانی کے لیے میں یہ بات بتا سکتا ہوں کہ وہ شخص تمہیں میرے بعد ساری دنیا میں سب سے اچھا لگتا ہے۔" اس کا دل بے اختیار تیز تیز دھڑکنے لگا تھا۔

"بابا؟" وہ ایک پل کو ان کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھ کر بھاگنے والے انداز میں دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی تھی۔ اسے اندر آتا دیکھ کر وہ صوفے سے اٹھ گیا تھا۔

"کیسی ہو نہاء؟"

ایسا لگ رہا تھا وقت کی رفتار تھم گئی ہے۔ شاید وہ کوئی خواب دیکھ رہی تھی۔ اس نے بے اختیار اپنی آنکھیں زور سے بند کر کے دوبارہ کھولی تھیں۔ مگر سامنے کے منظر میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ بلیک جینز اور گرے ٹی شرٹ میں وہ اپنی اسی جاندار مسکراہٹ سمیت اسے دیکھ رہا تھا۔ اس نے بے ساختہ سر پیچھے گھما کر بابا کی طرف دیکھا وہ اسی طرح دروازے کے پاس کھڑے مسکراتے ہوئے اس کی سمت دیکھ رہے تھے۔ وہ ایک دم مڑ کر بابا کی طرف آگئی تھی۔ وہ اس پل اپنی کوئی بھی کیفیت سمجھ نہیں پا رہی تھی مگر اسے بے تحاشا رونا آ رہا تھا۔ اس کی کیفیت سمجھتے ہوئے انہوں نے بے اختیار اس کا سر اپنے سینے سے لگا لیا تھا۔

"تم نے یہ کیسے سوچ لیا تھا میری جان کہ تمہارے

بابا تمہیں دکھ دے کر خوش رہ سکتے ہیں۔ دیکھو میں اسے واپس لے آیا ہوں۔ میں نے خود سے عہد کیا تھا اپنی بیٹی کو اس کی تمام خوشیاں اس عید پر ضرور لوٹاؤں گا۔" وہ ہچکیوں سے رو رہی تھی اور وہ اس کا سر تھپکتے ہوئے سرگوشی کر رہے تھے۔ وہ بھی ان دونوں کے پاس آکر کھڑا ہو گیا تھا۔

"کتنی بری بات ہے تم اوزان سے ڈھنگ سے ملی بھی نہیں اور رونے کھڑی ہو گئیں۔ وہ بھی کیا سوچ رہا ہوگا کہ نماء کو میرا آنا اتنا برا لگا ہے کہ میری شکل دیکھتے ہی رونے لگی ہے۔"

اس کی بات سنتے ہی اس نے فوراً اوپر اٹھایا تھا اور نظریں برابر میں کھڑے اس شخص سے ٹکرائی تھیں جسے اس نے گزرے ہر لمحہ اور ہر پل بے حد یاد کیا تھا۔ وہ مسکراتے ہوئے اسے دیکھ رہا تھا۔

"بابا! آپ تو کہہ رہے تھے کہ نماء بہت زیادہ سنجیدہ اور میچور ہو گئی ہے مجھے تو یہ بالکل بھی بدلی ہوئی نہیں لگی۔ دیکھیں کیسے بچوں کی طرح رو رہی ہے۔" بابا اس کے کمنٹس پر ہنس پڑے تھے اور وہ اس کی بات سے زیادہ لفظ 'بابا' پر حیران ہوئی تھی۔ وہ اتنی بے تکلفی سے ان سے مخاطب تھا جیسے برسوں کی شناسائی ہو۔

"مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا ہے بابا! یہ سب کیا ہے۔" وہ اچانک بے بسی سے کہتی ان دونوں سے دور ہٹ گئی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا وہ دونوں مل کر اسے تنگ کرنے میں مصروف تھے۔ یوں جیسے اس کے ساتھ کوئی جگ سا پزل کھیلا جا رہا تھا۔

"تمہیں کس نے کہا ہے کہ اپنے چھوٹے سے دماغ پر زیادہ زور ڈالو۔" اوزان مسکراتا ہوا بولا تھا۔

"نماء مجھے لگ رہا ہے کہ تمہارے شاہی ٹکڑے جلے ہوئے ٹکڑوں میں تبدیل ہو چکے ہیں۔" بابا ناک سکیڑ کر جلنے کی بو سونگھتے ہوئے بولے۔

"میں دیکھ کر آتا ہوں۔" وہ ڈرائنگ روم سے نکل گئے تھے۔ اس نے ان کی کوئی بھی بات سنی ہی نہیں تھی بس سر جھکائے کچھ سوچتی الجھی ہوئی کھڑی تھی۔

"بیٹھ جاؤ نماء۔" وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر صوفے کی طرف آتا ہوا بولا تو وہ چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگی تھی۔ وہ اس کی آنکھوں میں تیرتی الجھن، حیرانی، ناراضی اور ان سب جذبات کے پیچھے چھپی خوشی دیکھ کر مسکرا دیا تھا۔

"تم نے بالکل ٹھیک کہا تھا نماء۔ بابا واقعی بہت اچھے ہیں اور ان جیسا اچھا کوئی اور ہو ہی نہیں سکتا۔ تم سے مل کر اگر میں نے محبت کے حقیقی معنی پائے تھے تو بابا سے مل کر اپنے تمام کھوئے ہوئے رشتے دوبارہ پا لیے ہیں۔"

وہ اس کے برابر میں بیٹھا خوشی سے بھرپور لہجے میں بول رہا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے وہ بڑی والہانہ نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"تم تو میری جدائی میں پہلے سے بھی زیادہ خوب صورت ہو گئی ہو۔" وہ شرارتی لہجے میں کہہ رہا تھا۔ ایک دم کچھ نروس ہو کر وہ اپنے ہاتھ اس کی گرفت سے آزاد کروانے لگی تو وہ اسی شرارت بھری مسکراہٹ کے ساتھ نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔

"آج یہ ہاتھ میں نے بابا کی اجازت سے تھامے ہیں لہٰذا چھوڑنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

"چلو بھئی نماء تمہارے شاہی ٹکڑے تو مرحوم و مغفور ہو چکے۔ اب ان کی جگہ کچھ اور بنا لینا۔" بابا کی آواز سنتے ہی فوراً اس کے ہاتھ چھوڑ کر وہ تھوڑا دور ہٹ کر بیٹھ گیا تھا۔ اب کی بار ہنسنے کی باری اس کی تھی۔ اسے کھلکھلا کر ہنستے دیکھ کر وہ تھوڑا کھسیانا ہو کر سر کھجاتے ہوئے خود بھی ہنس پڑا تھا۔

اندر داخل ہوتے ہی انہوں نے بیٹی کے چہرے پر مسکراہٹ دیکھی جو ایک طویل عرصے سے دیکھ نہیں پائے تھے تو دل ہی دل میں اپنے رب کا شکر ادا کیا پھر بیک وقت ان دونوں سے مخاطب ہوئے۔

"چاند رات کو تم لوگ گھر پر کیا کر رہے ہو۔ جاؤ نماء اوزان کو کراچی کے چاند رات کی رونقیں دکھا کر لاؤ اور تم بھی ایک عدد شلوار قمیص خرید لاؤ۔ جینز اور ٹی

[illegible] بس سوٹ میں، میں تمہیں عید کی نماز [illegible] میں لے کر جاؤں گا۔"

[illegible] مخاطب ہوئے تو وہ ہنستے ہوئے اقرار [illegible] لیا۔

[illegible] پہلے چینج کر کے آتی ہوں۔" وہ بھاگتی [illegible] میں گھس گئی تھی۔

[illegible] ہاں اس طرح دبے پاؤں بھی آجاتی ہیں۔ [illegible] بالکل اچانک۔" بالوں میں برش [illegible] سے پوچھ رہی تھی۔ سرخ گلابوں [illegible] اس کے لب آپ ہی آپ مسکرا دیے [illegible] تو نہیں 'ان سرخ گلابوں نے صبح [illegible] ہی تو تھی۔" وہ تیار ہو کر نیچے آئی تو [illegible] فوراً کھڑا ہو گیا تھا۔ پورچ تک بابا [illegible] ساتھ ہی آگئے تھے۔

[illegible] مجھے دیکھنا ہے کہ تمہاری [illegible] میں بہتری آئی ہے۔" وہ دوسری طرف [illegible] ہوا بولا تو اس نے ڈرائیونگ سیٹ [illegible] گاڑی اسٹارٹ کر کے گیٹ سے باہر [illegible] اس نے اوزان کی تاسف میں ڈوبی آواز

[illegible] ہارٹ آج بھی اتنا ہی بکواس ہے جتنا [illegible] تھا اور ریورس تو بالکل ہی ہوپ لیس [illegible] تمہاری ڈرائیونگ ٹھیک ہونا مشکل ہے۔"

[illegible] تے ہی وہ زور سے آواز لگا کر بابا سے بولا

[illegible] آپ تو کہہ رہے تھے کہ نماء کافی اچھی [illegible] نے لگی ہے۔ مجھے تو ایسا کچھ نہیں لگا۔" [illegible] ڈش دیکھ کر بابا کا قہقہہ بے ساختہ تھا [illegible] جاتے ہی وہ فوراً شکرانے کے نفل [illegible] ہو گئے تھے۔ اپنے رب کا شکر ادا کرتا ان [illegible] جس نے ان سے صحیح فیصلہ کروا لیا تھا۔ وہ [illegible] اس کی مسکراہٹیں لوٹانے میں کامیاب ہو [illegible] اور یہ سب ان کے رب کی عنایتیں ہی تو [illegible] تب دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اپنے [illegible] مانگتے رہے تھے کہ ان بچوں کی زندگی

میں ایسی بے شمار عیدیں آئیں۔ نماء اور اوزان خوشیوں بھری ایسی ہزاروں عیدیں ایک دوسرے سنگ منائیں۔

ان دونوں کی واپسی سے پہلے انہیں اپنے پیارے دوست احمد کو بھی فون کرنا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ احمد بھائی اور سب سے بڑھ کر سکندر کے ساتھ وہ بہت بڑی زیادتی کر گئے ہیں۔ وہ ان سب سے معذرت کرنے کے لیے تیار تھے۔ خاص طور پر سکندر سے وہ بہت شرمندہ تھے مگر یہ شرمندگی اس شرمندگی سے تو بہرحال کم تھی جو وہ اس جیسے پیارے لڑکے کو ایک ایسی لڑکی کے ساتھ منسوب کروا کر کرتے جو اسے اپنی زندگی میں تو جگہ دے دیتی مگر اپنے دل میں کبھی نہیں۔

◆ ◆

عمران ڈائجسٹ کے وہ مقبول سلسلے
جن کا آپکو بےچینی سے انتظار تھا
اب کتابی صورت میں شائع ہو گئے ہیں

مہارانی ایک جادوگرنی کی کہانی جس نے تہلکہ مچا رکھا تھا، کوئی بھی اُس کے وار سے بچ نہ سکتا تھا، ۳ حصوں پر مشتمل ہے۔

پُراسرار علوم کا ماہر ایک پُراسرار شخص کی داستان اس کی اپنی زبانی سے مکمل کتاب

چمپا کلی مہارانی کی طرح چمپا کلی نے بھی جانے کتنوں کو تباہ کر دیا اور کیا کیا گل کھلائے۔ مکمل ایک کتاب۔

مہاراجہ وہ شیر سے زیادہ خوفناک تھا۔ ایک عبرتناک داستان۔ ضرور پڑھیے۔ ایک کتاب میں مکمل۔

مکتبہ عمران ڈائجسٹ ۳۲۔ اردو بازار کراچی